قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

ہفتہ وار طلوعِ اسلام کراچی

قیمت چھ آنہ سالانہ پندرہ روپے	کراچی : ہفتہ ۔ ۶ ۔ اگست ۱۹۵۵ء	جلد نمبر ۸ شمارہ ۲۷

قرآن نے کیا کہا؟

دنیا کا نظام کچھ اس قسم کا چلا آرہا ہے کہ ہر شخص کی ذمہ داری اسکی اپنی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اسے اپنی روٹی کپڑے کا انتظام خود کرنا ہوتا ہے۔ اپنے بچوں کی ضروریات زندگی کا بہم پہنچانا اسکے اپنے ذمہ ہوتا ہے۔ اگر ایک مزدور، صبح سے شام تک کام کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے لیکن اسے کام نہیں ملتا اور اسطرح شام کو وہ اور اسکے بیوی بچے بھوکے رہ جاتے ہیں، تو اسکی ذمہ داری معاشرہ میں کسی پر عائد نہیں ہوتی۔ اگر کسی بیوہ کا نوجوان لڑکا کسی دیوار کے نیچے آکر مر جاتا ہے تو اسکی ذمہ داری کسی پر عائد نہیں ہوتی کہ وہ دیکھے کہ اس بیوہ اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچوں کا گزارہ کیسے ہوگا۔ مرنے والا تو مر گیا۔ اب جو باقی رہ گئے ہیں وہ اپنی مصیبت آپ بھگتیں۔ اگر کسی گھر میں کمانے والا بیمار پڑ گیا ہے اور گھر والوں کے پاس نہ اسکے علاج کیلئے کچھ ہے نہ کھانے پینے کیلئے۔ تو اسکے علاج اور گھر والوں کے کھانے پینے کے انتظام کی ذمہ داری کسی پر عائد نہیں ہوتی۔ وہ مریں یا جئیں۔ اس سے کسی کو سروکار نہیں ہوتا۔

دنیا کا یہی نظام ہے۔ ہمارے معاشرہ کا بھی یہی انداز ہے لیکن اس باب میں قرآن کا مسلک کچھ اور ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقہا" (۶/۱۱)۔ انسان تو ایک طرف زمین میں کوئی جانور بھی ایسا نہیں جس کے رزق کی ذمہ داری خدا پر نہ ہو۔

طلوعِ اسلام کا مسلک اور مقصد

ہمارا مسلک یہ ہے کہ ....

۱. تمام نوعِ انسانی اصل زندگی کے مسائل حل کرنے کے لئے ناکافی ہے۔ اسے اپنی راہنمائی کیلئے اس علم [illegible] کی ضرورت ہے جس طرح [illegible]

۲. یہ وحی اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کریم میں محفوظ ہے۔ اس لئے [illegible] [illegible]

۳. تمام [illegible] قرآن ہے۔ [illegible]

۴. حضور نبی کریم [illegible] [illegible] [illegible] [illegible]

۵. قرآن کی رو سے [illegible] [illegible]

۶. [illegible] [illegible] قرآن کے غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں باہمی مشاورت سے جزئی قوانین [illegible] [illegible] قوانین حالات کی تبدیلی سے بدلتے رہیں گے لیکن قرآن کے اصول ہمیشہ غیر متبدل رہیں گے۔

۷. [illegible] [illegible] [illegible] تمام نوعِ انسانی [illegible]

۸. [illegible] [illegible] [illegible] اسے قرآنی نظامِ ربوبیت کہا جاتا ہے۔

ہمارا مقصد یہ ہے کہ ....

[illegible] پاکستان میں [illegible] قرآنی نظامِ ربوبیت [illegible]

اگر آپ طلوع اسلام کے اس مسلک اور مقصد سے متفق ہیں تو اس پیغام کو عام کرنے میں طلوع اسلام کا ساتھ دیجئے

اس شمارے میں

★ خان عبدالغفار خان ★ مہاجر بستیاں ★ انڈیا آفس لائبریری ★ عید اور ہالی
★ عورت کا قرآن ★ تاریخی شواہد ★ اسلام کی سرگزشت ★ مجلس اقبال
★ مسند امام احمد بن حنبل ★ حقائق و عبر ★ عالم اسلامی ★ بین الاقوامی جائزہ

As. -/6/-

انسان
نام ہے جسم اور نفس کا

ان دونوں کی پرورش اور تربیت نہایت ضروری ہے۔
لیکن یہ ہو کیسے؟
جسم اور نفس کے تقاضے ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ یہ ہے وہ

مسئلہ

جسے حل کرنے کے لئے انسانیت سرگرداں چلی آرہی ہے۔
انسان نے اس کے بہت سے حل سوچے لیکن یہ مسئلہ
جوں کا توں رہا۔

اس کا صحیح حل
وحی نے دیا جو قرآن میں محفوظ ہے۔

یہ حل کیا ہے؟ اور یہ کیسے قابل عمل ہو سکتا ہے؟

اس کے لئے دیکھئے۔

☆ نظام ربوبیت ☆

(از - پرویز)

دور حاضرہ کی عظیم کتاب۔

قسم اول: کاغذ سفید کرنافلی جلد مضبوط مع گردپوش - چھہ روپے
قسم دوم: کاغذ میکانیکل صرف گرد پوش کے ساتھ - چار روپے

ناظم ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۲۳۱۳ - کراچی-۳

قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

ہفت روزہ

طلوعِ اسلام

جلد ۸ | ہفتہ ۶ر اگست ۱۹۵۵ء | نمبر ۲۷

خان عبدالغفار خان

طلوعِ اسلام کی زندگی میں غالباً یہ پہلا موقع ہے کہ کسی "شخصیت" کو لمعات کا زیب عنوان بنایا گیا ہے۔ قارئین کے لئے یہ استثناء یقیناً حیرت انگیز ہوگا، اور ایسا ہونا بھی چاہیئے، لیکن ہم ابتدائی سطور ہی میں اس حقیقت کو واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ عنوان میں اگرچہ ایک شخص کا نام آیا ہے، اور متن میں بھی اس کا نام لے کر بہت کچھ لکھا جائے گا۔ لیکن اس سے کسی کی ذات یا شخصیت مقصود نہیں۔ چند اہم اصولی باتیں ہیں جن کے متعلق کھلے کھلے الفاظ میں گفتگو کرنا ناگزیر ہو گیا ہے اور وہ باتیں نہیں کی جا سکتیں جب تک خان عبدالغفار خان صاحب کا نام بیچ میں نہ آئے۔

ہرچند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

ہمارے نزدیک عبدالغفار خان صاحب ایسے ذاتی جوہروں کے مالک نہیں جن کی بنا پر ان کا نام لے کر خاص طور پر ان کا ذکر کیا جائے۔ نہ ہی انہیں مملکت پاکستان میں کوئی اہمیت حاصل ہے کہ انہیں کسی فکر کا محور بنایا جائے۔ ان کے متعلق ہماری صاف صاف رائے یہ ہے اور یہ رائے ان کے پورے سیاسی کردار کے مطالعہ کے بعد قائم کی گئی ہے کہ ان کے سامنے ہوسِ اقتدار اور نام کی شہرت کے سوا اور کوئی مقصد نہیں اور اس ذاتی مقصد کو وہ ہر قیمتی متاع کے عوض خریدنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ تحریک پاکستان کے دوران میں، ہندو نے ان کی اس نفسیاتی کمزوری کو بھانپا اور اس سے خوب فائدہ اٹھایا۔ ان کے نام کی شہرت کے جذبہ کی تسکین کے لئے انہیں "سرحدی گاندھی" کا لقب عطا کر دیا۔ اور ان کی ہوسِ اقتدار کی تسکین کے لئے انہیں سرحد میں قائدِ اعظم کا حریف قرار دے کر مسلمانوں میں ایسے بغض و عداوت کے بیج بو دیئے جن کے کانٹے ہمیں اس وقت تک چین سے نہیں سونے دیتے۔

اس وقت ہمارے سامنے خان عبدالغفار خان صاحب کی ۸ر جولائی کی وہ تقریر ہے جو انہوں نے اپنے داخلۂ سرحد کے بعد مردان میں کی۔ اس میں انہوں نے شکایت کی ہے کہ تقدیر کی یہ ستم ظریفی عجیب ہے کہ جنہوں نے انگریز کو ہندوستان سے نکالا انہیں وہ لوگ غدار پاکستان کہہ رہے ہیں جو نسلاً بعد نسلٍ انگریز کے پیچھو چلتے رہے ہیں۔ بہ الفاظِ دیگر خان صاحب نے کہا یہ ہے کہ چونکہ انہوں نے انگریز کو ہندوستان سے نکالا اس لئے وہ پاکستان کے غدار کیسے ہو سکتے ہیں؟ بفرضِ استدلال اگر اسے تسلیم بھی کر لیا جائے کہ انگریز کو ہندوستان سے خان صاحب نے نکالا تھا تو دیکھنا یہ ہے کہ اس سے یہ نتیجہ کیسے برآمد ہو سکتا ہے کہ وہ غدارِ پاکستان نہیں ہیں۔ ہندوستان میں ہندو، انگریز کو اس لئے ہندوستان سے باہر نکالنا چاہتا تھا کہ وہ سارے ہندوستان میں اپنی حکومت قائم کرے اور اپنی اکثریت کے زور پر مسلمانوں کو محکوم بنائے۔ اس کے برعکس، مسلمان انگریز کو اس لئے نکالنا چاہتا تھا کہ اس کے بعد وہ اپنی اکثریت کے علاقوں میں اپنی حکومت قایم کرے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں جو مسلمان ہندو کی ہمنوائی میں انگریز کو ہندوستان سے نکالنا چاہتا تھا وہ اپنے آپ کو مسلمان کا بہی خواہ قرار نہیں دے سکتا تھا۔ وہ مسلمانوں کے اجتماعی مفاد کا اسی طرح سے دشمن اور غدار تھا جس طرح سے ہندو۔ لہٰذا اگر کسی ایسے مسلمان کی تائید سے انگریز ہندوستان سے نکل گیا تھا تو اس سے وہ مسلمان ملتِ اسلامیہ کا بہی خواہ یا ان کے مفاد کا محافظ نہیں قرار پا سکتا۔ بنا بریں، یہ دلیل پیش کرنا کہ جس شخص نے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالا تھا وہ پاکستان کا غدار کس طرح سے ٹھہرایا جا سکتا ہے، خود فریبی نہیں تو ابلہ فریبی ضرور ہے۔ خان عبدالغفار خان صاحب تو وہ ہیں کہ جب کانگریس تک بھی مسلمانوں کے مطالبۂ پاکستان کو تسلیم کر چکی تھی تو یہ اس وقت بھی اس مطالبہ کی مخالفت کر رہے تھے۔ چنانچہ سرحد کا ریفرنڈم انہیں کی اس مخالفت کا نتیجہ ہے حالانکہ ان کے برادرِ بزرگ، ڈاکٹر خان صاحب کے بیان کے مطابق، یہ خود جانتے تھے کہ سرحد کا مسلمان پاکستان کا حامی ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ اس زمانہ میں عبدالغفار خان صاحب دیانتدارانہ طور پر متحدہ قومیت کے حامی تھے اس لئے اِن کی اس زمانہ کی روش کو اب ان کے متعلق ..... فیصلہ کا معیار نہیں بنانا چاہیئے۔ ہم بھی اس سے متفق ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا انہوں نے پاکستان بننے کے بعد پاکستان کو قلبی اور ذہنی طور پر اپنا لیا ہے؟ ظاہر ہے کہ اس کا جواب نفی میں ہے۔ پاکستان میں ہندوستان کے پہلے ہائی کمشنر مسٹر سری پرکاشا نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ پاکستان ہندو کے لئے "روحانی" مسئلہ ہے۔ یعنی جب تک ہندو ہندو ہے وہ پاکستان کو کبھی تسلیم نہیں کر سکتا۔ مسٹر سری پرکاشا نے جو بات ہندو کے متعلق کہی تھی، وہ بعینہٖ عبدالغفار خان صاحب پر صادق آتی ہے۔ جب تک پاکستان وجود میں نہیں آیا تھا، ہندوستان کی سالمیت کے قائل تھے لیکن پاکستان بننے کے بعد انہوں نے پختونستان کا شوشہ چھوڑ دیا تاکہ پاکستان کو کبھی استحکام نصیب نہ ہو سکے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ خان صاحب مذکور پاکستان میں پیدا ہوئے۔ پاکستان ان کا وطن ہے۔ پاکستان میں ان کی زمینیں ہیں۔ پاکستان میں ان کی جائیداد ہے۔ وہ پاکستان کے دشمن کیسے ہو سکتے ہیں؟ لیکن یہ دلیل اتنی کمزور ہے کہ اس کے خلاف کچھ زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ خان صاحب خوب سمجھتے ہیں کہ اگر پاکستان ہندوستان میں شامل ہو جائے تو ان کی یہ زمینیں اور جائیدادیں کوئی نہیں چھین سکے گا اور صوبہ سرحد کی قیادت واحد ان کے حصہ میں آ جائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس باب میں ہمارے نزدیک پاکستان کے ہندو اور سکھ باشندے خان صاحب سے کہیں زیادہ دیانتدار تھے۔ انہوں نے پاکستان کو دل سے نہیں اپنایا تو وہ پاکستان کو چھوڑ کر ہندوستان چلے گئے۔ لیکن خان صاحب کی یہ کیفیت ہے کہ وہ پاکستان کو ذہنی اور قلبی طور پر اپنا بھی نہیں سکے اور یہاں سے جانا بھی نہیں چاہتے۔

خان عبدالغفار خان صاحب نے اپنی تقریر میں یہ بھی کہا ہے کہ جنرل اسکندر مرزا کا یہ کہنا غلط ہے کہ وہ (خان صاحب) اپنے پیرووں کو حکومت سے متصادم کرائیں گے۔ آپ نے کہا کہ یہ الزام اس لئے بے بنیاد ہے کہ سرخپوش عدم تشدد پر کاربند ہیں اور محبت و اخوت کے قائل ہیں۔ ہم خان صاحب سے اتنا دریافت کرنا چاہتے ہیں کہ کیا وہ اور ان کے سرخپوش، مہاتما گاندھی اور ان کے اہنسا پر ایمان رکھنے والے متبعین سے بھی زیادہ عدم تشدد کے قائل اور اخوت و محبت کے علمبردار ہیں، اور کیا اس کے باوجود یہ حقیقت نہیں کہ مہاتما گاندھی نے اپنے پیرووں میں اور حکومت میں کس طرح تصادمات کرائے تھے۔ ہندوستانی سیاست میں فلسفۂ عدم تشدد کے جو مظاہرے دیکھنے میں آئے ہیں ان کے شاہد اب تک زندہ ہیں۔

اس کے بعد آپ ایک یونٹ کی طرف آتے ہیں۔ آپ ایک یونٹ کے خلاف ہیں لیکن آپ نے اپنے مسلک کی تائید میں آج تک دلیل کوئی نہیں دی۔ اس کے مقابلہ میں ان کی

تجویز یہ ہے کہ مغربی پاکستان کو نسلی بنیادوں پر تین حصوں میں تقسیم کر دیا جائے اور پھر ان تین حصوں کو ایک ذیلی وفاق (ZONAL FEDERATION) بنا دیا جائے۔

آپ سوچئے کہ جو شخص مسلمانوں کو نسلی بنیادوں پر تقسیم کرنے کی تجویز پیش کر رہا ہے اس کا ذہن کس حد تک اسلامی ہے؟ نسلی تقسیم کا تصور اسلام کی تعلیم کے یکسر خلاف ہے۔ پھر طرفہ تماشا یہ ہے کہ ایک یونٹ کے متعلق تو آپ یہ فرماتے ہیں کہ اس کی بابت عوام سے استصواب کیا جائے لیکن اپنی تجویز کے متعلق یہ کہیں نہیں کہتے کہ اس کی بابت عوام سے پوچھ لیا جائے۔ یعنی جس تجویز کو خان صاحب پیش کریں اس کے متعلق یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ ساری کی ساری قوم کے لئے قابل قبول ہے اور جس تجویز کے یہ مخالف ہوں اس کے متعلق تصور کر لیا جائے کہ قوم اس کے خلاف ہے۔ اس قسم کی منطق یا تو "یادش بخیر" گاندھی جی کے افقِ ذہنی سے جلوہ بار ہوا کرتی تھی اور یا اب ان کے بروز، "سرحدی گاندھی" کے مجلّۂ دماغ سے باہر آتی ہے۔ قارئین کو یہ بھی یاد ہوگا کہ جب حکومت کی طرف سے یہ تجویز پیش کی گئی کہ خان صاحب پاکستان کے دیہات سدھار کے پروگرام کو اپنے ہاتھ میں لے لیں اور اس طرح خدمتِ خلق کا کام کریں تو انہوں نے فرمایا کہ اگر حکومت ایک یونٹ کے منصوبے کو ترک کر دے تو میں ایسا کرنے کے لئے تیار ہوں۔ یعنی اگر خان صاحب کی رائے کے مطابق ایک یونٹ کی اسکیم کو ترک کر دیتا ہو تو پھر عوام سے پوچھنے کی ضرورت نہیں، لیکن اگر ان کی رائے کے خلاف جاتا ہو تو پھر استصوابِ عامہ کی ضرورت ہے۔ غور کیجئے کہ بعض لوگوں کو اپنے متعلق کتنے کتنے بڑے مغالطے ہوتے ہیں!

اس تقریر میں آپ نے بزعمِ خود دو دلیلیں "وحدتِ مغرب" کے خلاف دی ہیں۔ پہلی دلیل یہ ہے کہ اس سے صوبائیت پھیل گئی ہے۔ آپ کا کہنا ہے کہ جس تجویز پر عمل کرنے سے پہلے ہی صوبائیت کو اس قدر فروغ ہو جائے تو اس کو عمل میں لانے کے بعد کیا کچھ نہیں ہو جائے گا؟ یہ بھی گاندھوی منطق کا ایک نمونہ ہے۔ اس حقیقت سے کسی کو مجالِ انکار نہیں کہ صوبائیت صوبائی حد بندیوں کی وجہ سے پیدا ہوئی۔ اس کا علاج حد بندیوں کو محو کر دینا ہے۔ وحدتِ مغرب کا مقصود یہی ہے۔ لیکن اس تجویز کی مخالفت میں وہ طبقہ خصوصیت سے اٹھ کھڑا ہوا ہے جسے وحدت میں اپنا مستقبل نظر نہیں آتا۔ یہ صورتِ حال بالکل قابلِ فہم ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ صوبائیت کا یہ مظاہرہ وحدت کے تصور نے پیدا کیا، خود دھوکہ کھانا نہیں تو دوسرے کو دھوکے میں مبتلا کرنا ہے۔

دوسری دلیل آپ کی یہ ہے کہ پٹھان قوم اسے پسند نہیں کرتی کہ وہ اپنے سے کم سیاسی شعور رکھنے والے علاقوں سے ملحق ہو جائے۔ پٹھانوں کو ایک قوم قرار دینا اسلام کے نظریۂ اجتماع سے ہی متصادم نہیں ہوتا بلکہ پاکستان کے اساسی تقاضائے وحدت و سالمیت کے بھی بالکل منافی ہے۔ یہ خیال اسی مذموم ذہنیت کا پروردہ ہے جسے مٹانے کے لئے مغربی پاکستان کو ایک صوبہ بنایا جا رہا ہے۔ لیکن خان عبدالغفار خان صاحب اسے وحدت کے خلاف بطور دلیل پیش کر رہے ہیں اور اس طرح علت کو نتیجہ کہہ کر افسوسناک غلط مبحث پیدا کر رہے ہیں۔

یہ تو رہا خان عبدالغفار خان کا معاملہ۔ اب ذرا ان کے بارے میں حکومت کے رویہ کو دیکھئے۔ جن افسوسناک حالات میں ان کے داخلۂ سرحد سے پابندی ہٹائی گئی اس پر طلوعِ اسلام میں اس سے پہلے تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ اس غلط بخشی کی توجیہ ۲۶ جولائی کو جنرل اسکندر مرزا نے یہ کی کہ حکومت اس طرح عبدالغفار خان صاحب کو دنیا کے سامنے اپنے آپ کو پاکستانی ثابت کرنے کا موقع دینا چاہتی تھی۔ ہم حیران ہیں کہ حکومت نے "بخشنے بخشوانے" کا ٹھیکہ آخر کیوں لے لیا ہے؟ ابھی کل ہی ہمارے وزیرِ اعظم صاحب بنگال میں اس شخص کو ملک میں ایک بہت بڑی پوزیشن عطا فرما چکے ہیں جنہیں خود ہی "غدار" قرار دیا تھا۔ آج وزیرِ داخلہ کم و بیش وہی کھیل کھیل رہے ہیں۔ قوم جاننا چاہتی ہے کہ آخر یہ کون لوگ ہیں جن کی اس قدر خوشامد کی جا رہی ہے؟ ہم حکومت سے پوچھتے ہیں کہ عبدالغفار خان کی حیثیت کیا ہے؟ کیا وہ قانون سے باہر ہیں؟ کیا کسی وزیر کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ کسی شخص کی سرگرمیوں کو ملک اور حکومت کے مفاد کے منافی سمجھے تو وہ یہ تجربہ کرتا پھرے ..... کہ اسے پاکستانی ثابت کرنے کا موقع دیا جائے؟

چلئے، اسے بھی جانے دیجئے۔ ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ حکومت نے عبدالغفار خان صاحب کو ایسا موقع دے کر اتمامِ حجت کر لیا۔ لیکن اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ خود جنرل اسکندر مرزا فرماتے ہیں:

> حکومت کی توقعات ابھی تک غلط نکلی ہیں..... میں نے خان عبدالغفار خان سے ایک یونٹ کے سلسلہ میں گفتگو کی ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ وہ خود غرضی اور شدید صوبائیت کا شکار ہیں اور انہیں اپنے ہمسایوں سے نفرت ہے۔ ان حالات میں ان سے کوئی معقول بات نہیں کی جا سکتی۔ ..... وہ انتہائی کوشش کریں گے کہ اپنے سرخپوشوں اور حکومت میں تصادم کی صورت پیدا کریں۔ کیونکہ وہ سرے سے ملک کے موجودہ آئینی نظم و نسق ہی کے خلاف ہیں۔ جو تحریک حکومت کے خلاف ہو وہ آخر کار عوام ہی کے خلاف ہوتی ہے۔ لہٰذا کوئی حکومت اسے برداشت نہیں کر سکتی۔

ان اقتباسات سے ظاہر ہے کہ وزیرِ داخلہ نے یہ دیکھ لیا ہے کہ انہوں نے عبدالغفار خان صاحب کو جو موقع دیا تھا اس کا انہوں نے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ بلکہ وہ اپنی جماعت کو حکومت سے تصادم کرانے پر تلے ہوئے ہیں، اور اسے حکومت برداشت نہیں کرے گی۔ لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ ان پر سے پابندی ایسے وقت اٹھائی گئی تھی جب ان کی سرگرمیوں کے پیشِ نظر ان کی گرفتاری تک کی افواہ مشہور ہو چکی تھی۔ اس مقام پر ہم اس کی وضاحت کر دینا چاہتے ہیں کہ ہمیں اس سے غرض نہیں کہ زید، بکر یا عمر کو کسی خاص علاقہ میں جانے دیا جاتا ہے یا نہیں۔ یا انہیں کھلے بندوں پھرنے کی اجازت ملی رہتی ہے یا نہیں۔ ہمارے نزدیک شخصیتوں کا سوال ہی نہیں۔ لیکن ہم حکومت سے یہ پوچھتے ہیں کہ

(۱) خان عبدالغفار خان کے خلاف جو کچھ کہا گیا ہے وہ سوچ سمجھ کر کہا گیا ہے اور آیا وہ صحیح ہے؟

(۲) اگر یہ سب کچھ یونہی زیبِ داستان کے لئے کہہ دیا گیا ہے تو اس کا ذمہ دار کون ہے؟

(۳) لیکن یہ حقیقت پر مبنی ہے تو حکومت ملک کو اس فتنے سے محفوظ رکھنے کے لئے کیا کر رہی ہے؟ کیا حکومت اس وقت تک چپکے بیٹھے تماشہ دیکھتی رہے گی جب تک کوئی تصادم رونما نہیں ہو جاتا؟

لیکن بات یہاں ختم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ اصل یہ ہے کہ بات یہاں سے شروع ہوتی ہے۔ سرحد کے جو حالات ہمارے سامنے ہیں، ان کی روشنی میں وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ خان عبدالغفار خان اپنی اس مہم میں ضرور کامیاب ہو جائیں گے۔ اس لئے نہیں کہ ان کا وہاں اثر اتنا ہے کہ کوئی دوسرا ان کے مقابلہ میں ٹھہر نہیں سکے گا۔ نہ ہی اس لئے کہ سرحد کے باشندے فی الواقعہ ایک یونٹ کے خلاف ہیں۔ یا خان صاحب اپنے مسلک کی تائید میں ایسے قوی دلائل رکھتے ہیں جن کا جواب نہیں بن پڑ سکتا۔ بلکہ اس لئے کہ مسلم لیگی حکومت نے گذشتہ آٹھ سال میں جو کچھ سرحد میں کیا ہے (اور کہاں اب نہیں کیا!) اس کی وجہ سے لوگ موجودہ نظم و نسق سے اس قدر نالاں ہیں کہ وہ ہر اس شخص کا ساتھ دیں گے جو مسلم لیگی حکومت کی مخالفت کرے گا۔ سرحد میں سرخپوشوں کی تحریک کی کامیابی کا راز بھی یہی تھا کہ اس زمانے میں لوگ انگریزی حکومت کی سختیوں سے تنگ آ چکے تھے۔ عبدالغفار خان صاحب نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھایا۔ انہوں نے بھانپ لیا ہے کہ بعینہٖ اسی قسم کا موقعہ اب پھر آ گیا ہے۔ اس لئے وہ اس موقع سے بھی فائدہ اٹھائیں گے۔ لہٰذا ان کی کامیابی، ان کے حسنِ تدبر یا برسرِ حق ہونے کا نتیجہ نہیں ہوگی۔ بلکہ نتیجہ ہوگی مسلم لیگی حکومت کے سیاہ نامۂ اعمال کا۔ بعینہٖ اس طرح جس طرح بنگال میں فضل الحق صاحب کی کامیابی، مسلم لیگی حکومت کی نالائقیوں اور بدعنوانیوں کا فطری نتیجہ تھی۔

لہٰذا اگر ہمارے اربابِ حل و عقد چاہتے ہیں کہ سرحد بھی اسی طرح ہاتھ سے نہ نکل جائے جس طرح بنگال ہاتھ سے نکل چکا ہے (اور یاد رہے کہ سرحد کے ہاتھ سے نکل جانے کے نتائج کہیں زیادہ دوررس اور تباہی خیز ہوں گے) تو اس کا علاج نہ وزارت بدلنے میں ہے نہ خان عبدالغفار خان کو اس کا ذمہ دار ٹھہرانے میں۔ اس کا واحد علاج یہ ہے کہ وہاں نظم و نسق کی بدعنوانیوں سے جو ابتری پھیل رہی ہے اسے فوراً دور کیا جائے۔ وہاں کے حالات یہ ہیں کہ لوگ اپنی بنیادی ضروریاتِ زندگی تک کے لئے محتاج ہو رہے ہیں۔ نہ ان کے بچوں کو ٹھکانے سے روٹی کپڑا نصیب ہے نہ ان کے جانوروں کو چارہ۔ تمام بڑے بڑے گاؤں میں غنڈہ گردی ہو رہی ہے جو خود پولیس (اور بعض اوقات

وہاں کے اسمبلی کے ممبروں کے اشارے پر لوٹ مچا رہے ہیں اور شریفوں پر گوشۂ عافیت تنگ کر رہے ہیں۔ معاشرے سے امن اور اطمینان دونوں مفقود ہیں۔ لہٰذا سب سے پہلے کرنے کا کام یہ ہے کہ صوبہ میں امن اور اطمینان قائم کیا جائے اور لوگوں کی ضروریاتِ زندگی کی ذمہ داری حکومت اپنے سر پر لے۔ یہ ہے وہ سب سے بڑا موثر حربہ جو عبدالغفار خان و شرکا کی تخریبی کوششوں کا صحیح معنوں میں توڑ ہو سکتا ہے۔

اس کے علاوہ، صوبہ سرحد میں وہ لوگ موجود ہیں جنہوں نے اپنے اخلاص و دیانت اور جوشش کردار سے نہ صرف پاکستان کو قائم کیا بلکہ خان عبدالغفار خان کی تحریک کو کھلے بندوں شکست دینے کا موجب ہوئے۔ لیکن پاکستان بننے کے بعد انہیں اس طرح سے کچلا گیا کہ وہ دل برداشتہ ہو کر صوبہ کے عملی معاملات میں حصہ لینے سے یکسر کنارہ کش ہو گئے۔ یہ ہیں وہ لوگ جو اب بھی عوام کے دلوں پر حکومت کرتے ہیں اور جو پاکستان کے خلاف ہر تخریبی قوت کا منہ توڑ جواب بن سکتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ زمامِ کار پھر سے ان مخلص مجاہدین کے ہاتھ میں دی جائے۔ واضح رہے کہ یہ لوگ دولت و اقتدار کے خواہاں نہیں نہ کسی عہدہ اور منصب کے۔ لیکن یہ تو ضرور ہے کہ ان کے راستے میں جو کانٹے خود "انہوں" نے بکھیر رکھے ہیں انہیں صاف کر دیا جائے۔ ایسا ہو جائے تو دیکھئے کہ وہ ان تخریبی عناصر کی شرانگیزیوں کی مدافعت میں کیا کچھ کر دکھاتے ہیں۔

لیکن اگر ہمارے اربابِ بست و کشاد نے نہ یہ کیا نہ وہ، تو پھر ہمیں اس دن کا انتظار کرنا چاہیئے جب صوبہ سرحد ہم سے کٹ کر افغانستان کے ساتھ جا ملے۔ اس لئے کہ پختونستان کے نعرہ اور ایک یونٹ کی مخالفت کے پیچھے یہی جذبہ کام کر رہا ہے اور یہ ڈور دلی اور کابل دونوں مرکزوں سے ہلائی جا رہی ہے اس کے لئے خان عبدالغفار خان کو "فخرِ ایشیا" بننے کے خواب دکھائے جا رہے ہیں۔ آپ کو شاید معلوم نہ ہو کہ انہیں پشاور میں جو سب سے پہلا سپاسنامہ پیش کیا گیا ہے اس میں انہیں اسی لقب سے مخاطب کیا گیا ہے۔

خدا کرے کہ ملک کا ہوشمند طبقہ اس خطرہ کو صحیح طور پر محسوس کرے۔

مظلوم کشمیر

گزشتہ اشاعت میں ہم نے کشمیر کی تازہ صورت حال کا اجمالی جائزہ لے کر حکومت پاکستان پر یہ واضح کرنے کی کوشش کی تھی کہ ایک تو ہندوستان اندر اندر کشمیر کو پوری طرح اپنے آپ میں مدغم کر رہا ہے۔ دوسرے اس نے علانیہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ استصواب بیکار ہے کیونکہ ریاست نے ہندوستان سے الحاق کر رکھا ہے اور اس میں کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں اگر حالات کا یہ تجزیہ ٹھیک تھا۔ اور آج پاکستان میں کون اہلِ نظر ہے جو اسے غلط کہے گا؟ تو اس سے ایک ہی نتیجہ نکل سکتا تھا اور وہ یہ کہ کشمیر کے تصفیہ کے بارے میں اربابِ حکومت نے پنڈت نہرو اور ان کی حکومت سے جو حسنِ ظن قائم کیا ہوا ہے وہ غلط ہے۔ لہٰذا اس کے لئے کوئی اور طریقِ کار اختیار کرنا چاہیئے ہماری اس تحریر کی روشنائی بھی ہنوز خشک نہ ہونے پائی تھی کہ وزیرِ اعظم صاحب کی تازہ ماہانہ نشری تقریر سامنے آگئی۔ اس میں آپ نے کشمیر کے متعلق جس روش کا اظہار کیا ہم اس کا ماتم کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ آپ نے پنڈت پنت کی تقریر کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ پنڈت نہرو نے انھیں یقین دلایا ہے کہ ہندوستان بین الاقوامی معاہدات کا پابند رہے گا۔ یہ ٹھیک ہے کہ پنڈت نہرو نے وزیرِ اعظم صاحب کو ایسا یقین دلایا ہوگا۔ انھوں نے کب ایسا یقین نہیں دلایا تھا؟ لیکن سوال یہ ہے کہ انھوں نے آج تک اس کا کیا ثبوت دیا ہے کہ وہ بین الاقوامی معاہدات پر عمل درآمد بھی کریں گے؟ اگر ہم سات سال کے تلخ تجربے کو ایک لمحے کے لئے بھول بھی جائیں (جو بجائے خود ایک ناممکن سی بات ہے) تو بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پنڈت پنت جو پنڈت نہرو کے ضمیر بردار ہیں کیوں ایسی غیر ذمہ دار بات کہہ گئے؟ کیا ان کے بظاہر غیر ذمہ دارانہ بیان پر پنڈت نہرو نے صاد نہیں کیا؟ ہمیں معلوم نہیں کہ پنڈت جی نے محمد علی صاحب کو کیا یقین دلایا ہے۔ لیکن انھوں نے دہلی کے پبلک جلسے میں آپ کو جو جواب دیا تھا۔ اس میں تو اس نتیجہ تک پہنچنے کی ذرہ بھر گنجائش نہ تھی کہ پنڈت نہرو نے پنڈت پنت کے بیان سے بیزاری کا اظہار کیا ہے۔ اگر پنڈت جی نے وزیرِ اعظم صاحب کو اس تقریر سے مختلف جواب دیا ہے تو ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ اسے پبلک کی اطلاع کے لئے شائع کیا جائے تاکہ ملک کسی غلط فہمی میں مبتلا نہ رہے کشمیر کا معاملہ جس انتہائی نازک مرحلہ میں ہے اس میں اس قسم کی رازداری کشمیر اور پاکستان دونوں کے مفاد کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا سکتی ہے۔ وزیرِ اعظم نے اس سلسلہ میں آل پارٹیز کانفرنس طلب کی ہے۔ یہ تجویز اپنی جگہ درست لیکن ضرورت ملک کو اعتماد میں لینے کی ہے اور اس سے وزیرِ اعظم صاحب کو گریز نہیں کرنا چاہیئے۔ ان کا اعتماد پہلے ہی ملک میں بہت کم ہو چکا ہے۔ اب رہا سہا ان باتوں سے ختم ہو جائے گا۔

مہاجر بستیاں

حکومت بے گھروں کو آباد کرنے کے لئے کراچی کے گرد و نواح میں جو مہاجر بستیاں بسا چکی ہے یا بسا رہی ہے۔ ان پر اصولی اعتراض یہ ہوتا ہے کہ ہزاروں باشندوں کو شہر سے اٹھا کر میلوں دور آباد کر دیا جاتا ہے اور یہ نہیں دیکھا جاتا کہ انھیں کسبِ معاش کے لئے کہاں کہاں کی خاک چھاننی پڑے گی۔ ان لوگوں کو کام کاج کے لئے بالعموم شہر آنا پڑتا ہے جس سے ہر روز ان کی آمدنی کا خاصا حصہ آمد و رفت کے کرایوں کی نذر ہو جاتا ہے۔ اس سے آبادکاری کا حقیقی مقصد بہت حد تک فوت ہو جاتا ہے۔ لیکن ان بے گھروں کو گھر کی خاطر اور بھی بہت سے مصائب کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ عام طور پر دیکھا یہ گیا ہے کہ نئی بستیوں میں پولیس کا خاطر خواہ انتظام نہیں ہوتا جس سے وہاں کے رہنے والوں کے جان و مال خطرے میں رہتے ہیں۔ ان کے لئے طبی امداد کی کوئی صورت نہیں ہوتی کیونکہ شاذ و نادر ہی ان میں کوئی ڈسپنسریاں موجود ہوتی ہیں۔ ان کے بچوں کے لئے تعلیم کی کوئی آسانی نہیں مہیا کی جاتی۔ جو مشترکہ محدود بیت الخلاء بنائے جاتے ہیں ان کی صفائی کا کوئی معقول بندوبست نہیں ہوتا۔ یہ چند موٹی موٹی شکایات ہیں جو ہر مہاجر بستی میں آباد ہونے والوں کو لاحق ہوتی ہیں۔ لیکن نہ ان کی کوئی پیش بندی کی جاتی ہے نہ ان کا ازالہ کرنے کی کوئی قابلِ ذکر کوشش ہوتی ہے۔

ابتداءً تو شاید یہ کہا جا سکتا ہو کہ ناتجربہ کاری کی بنا پر ان مشکلات کا سدباب نہ ہو سکا۔ لیکن اب جب متعدد نواحی بستیاں بسائی جا چکی ہیں اور تجربے سے ثابت ہو چکا ہے کہ ہر بستی میں باشندوں کو کیا کیا مشکلات پیش آتی ہیں۔ اس کے لئے کوئی وجہ باقی نہیں رہ جاتی کہ ہر نئی بستی میں یہی صورت حال درپیش آئے۔ لیکن ہمارے بحالیات کے خداوند ہر بار وہی بے ڈھب بات کرتے ہیں جو اس سے پہلے وہ کر چکے ہوتے ہیں۔ اس کی تازہ ترین مثال لانڈھی مہاجر بستی ہے۔ وہاں ۴۰۰ ایکڑ زمین پر بارہ ہزار قطعات رہائشی مکانات کے لئے مخصوص کئے گئے ہیں۔ ان میں سے کوئی چھ ہزار کوارٹر حکومت کی طرف سے تعمیر ہوں گے۔ اور ان کی لاگت فی کوارٹر ۵۰۰، روپے ہوگی اب تک جن بے گھروں کو وہاں پہنچایا گیا ہے۔ انھیں وہ ساری مشکلات درپیش ہیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے لیکن یہاں ایک اور عنصر کا بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ جس سے لانڈھی بستی سب بستیوں پر سبقت لے گئی ہے پچھلے ہفتہ وزیرِ مہاجرین اپنی کارگذاری دکھلانے کے لئے چند اخباری نمائندوں کو وہاں لے گئے وہاں معاصر "ٹائمز آف کراچی" کی اطلاع کے مطابق انھیں

> ایک نمونے کا کوارٹر دکھایا گیا جسے دیکھ کر سب نے پسند کیا۔ اس میں ایک کمرہ۔ باورچی خانہ، غسل خانہ، پاخانہ، صحن سب ضروریات موجود تھیں اخباری نمائندے اس حسنِ انتظام کی تعریف میں رطب اللسان تھے کہ ایک مہاجر نے چیخنا شروع کر دیا کہ "آپ یہ نہ سمجھئے کہ ہم اس قسم کے کوارٹروں میں رہتے ہیں"۔ اس پر ڈپٹی ریفیوجی کمشنر نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا کہ یہ وقت ایسی شکایات کا نہیں۔ اس پر اخباری نمائندوں نے اصلی کوارٹر دیکھنے پر اصرار کیا۔ . . . ان کوارٹروں میں صرف ایک باہر کا دروازہ تھا۔ ورنہ باورچی خانے، غسل خانے، پاخانے وغیرہ میں کہیں کواڑ نہیں تھے۔ پردے کی دیوار چار پانچ موٹی اور چھ فٹ اونچی تھی اور وہ ہلتی تھی۔ مہاجرین نے شکایت کی کہ یہ دیواریں ان کی حفاظت کے لئے کافی نہیں اور چوری چکاری ہوتی رہتی ہے۔

اسی قسم کی اطلاعات دیگر اخباری نمائندوں نے بھی اپنے اخبارات میں شائع کیں۔ اور حکومت نے ان کی تردید نہیں

کی۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ جو کچھ ہوا یا نہیں ہوا وہ غلطی یا ناتجربہ کاری کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ عمداً تھا۔ اگر یہ اطلاع صحیح ہے تو ہمیں یہ کہنا پڑتا ہے کہ متعلقہ عملے نے مہاجرین کو ہی نہیں بلکہ حکومت کو بھی سخت دھوکہ دیا ہے۔ ہم ان اخباری نمائندوں کو مبارکباد دیتے ہیں جنھوں نے اس ڈھونگ کی قلعی کھول دی اور ہمیں خوشی ہے کہ حکومت نے اس کی تحقیقات کے لئے ایک کمیٹی بھی مقرر کردی ہے۔ خدا کرے کہ یہ کمیٹی ان خطرات کا انسداد کر سکے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہوا تو یہی داستان ہر جگہ دہرائی جاتی رہے گی۔ ہم اس سلسلہ میں حکومت سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ جن قومی مجرموں نے یہ دھوکہ دیا ہے انھیں قرار واقعی سزا دینی چاہیئے تاکہ دوسرں کو عبرت ہو اور آئندہ کے لئے ان کا سدباب ہو سکے۔

انڈیا آفس لائبریری

مئی کے تیسرے ہفتے میں پاکستان اور ہندوستان کے وزرائے تعلیم کی ملاقوں کے بعد مشترکہ اعلامیہ میں بتایا گیا تھا کہ انڈیا آفس لائبریری دونوں ممالک کی ملکیت ہے وہی اس کے مستقبل کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ نیز اس میں یہ اشارہ موجود تھا کہ دونوں ممالک میں بعض امور سے متعلق سمجھوتہ ہو گیا ہے۔ اس کے بعد مئی کے آخر میں مولانا ابوالکلام آزاد نے کراچی میں یہ کہا کہ دونوں ممالک نے تقسیم کا اصول تسلیم کر لیا ہے۔ اب وہ اس سلسلہ میں برطانوی نمائندوں سے ملاقات کرنے کے بعد دہلی پہنچے ہیں تو انھوں نے ایک پریس کانفرنس میں انکشاف کیا کہ پاکستان کے وزیر اعظم اور وزیر تعلیم مئی میں دہلی آئے تھے تو انھوں نے زبانی یہ مان لیا تھا کہ انڈیا آفس لائبریری دہلی منتقل کر لی جائے اور مطبوعہ کتابوں کے مثنی اور مسودات کا ساڑھے سترہ فی صدی حصہ پاکستان کو دے دیا جائے۔

ہم نے ۵ جون کے طلوع اسلام میں لکھا تھا کہ انڈیا آفس لائبریری کا معاملہ بڑا اہم ہے اور اس سلسلہ میں ذرا بھی تغافل شعاری سے کام نہیں لیا جا سکتا۔ ہم نے حکومت سے مطالبہ کیا تھا کہ قوم کو صاف صاف بتا دیجئے کہ دہلی میں کیا طے ہوا تاکہ بعد میں کوئی غلط فہمی پیدا نہ ہو۔ جہاں تک ہمیں یاد پڑتا ہے حکومت نے اس قسم کی کوئی وضاحت نہیں کی اور نہ مولانا آزاد کے بیان کی تردید کی۔ لیکن اب ایک سرکاری ترجمان نے یہ بتایا ہے کہ ہمارے وزیر اعظم یا وزیر تعلیم میں سے کسی نے بھی کوئی معاہدہ زبانی یا تحریری اس مطلب کا نہیں کیا تھا۔ یعنی نہ تو وہ اس پر رضامند ہوئے تھے کہ لائبریری لندن سے دہلی منتقل ہو جائے اور نہ اس پر کہ کتابوں کی تقسیم کیسے ہو۔ ہم حیران ہیں کہ حکومت نے اس قسم کی وضاحت میں ہی کیوں نہ کردی جب دہلی سے علانیہ یہ کہا جا رہا تھا کہ اس قسم کا سمجھوتہ ہو گیا ہے؟ یہ بھی کم حیران کن ۔ اور افسوسناک ۔ نہیں کہ اب تردید ضروری سمجھی گئی ہے تو اس کے لئے ایک گمنام ترجمان کا ذریعہ اختیار کیا گیا۔ حالانکہ مناسب سطح پر سے صاف طور پر اس کا اظہار کیا جا سکتا تھا۔ غور کیجئے ہماری کتنی قومی مشکلات محض اس وجہ سے پیدا ہو جاتی ہیں کہ ہمارے یہ ذمہ دار حضرات معاملات طے کرتے وقت باہمی فیصلوں کو واضح تحریروں میں منضبط نہیں کرتے اور بہت کچھ محض زبانی باتوں پر چھوڑ دیتے ہیں۔

بہرحال یہ غنیمت ہے کہ صورت حال زیادہ بگڑی نہیں اور حکومت پاکستان نے کوئی غلط فیصلہ نہیں کیا۔ اب آئندہ کیلئے ضروری ہے کہ پوری احتیاط سے کام لیا جائے اور لائبریری کی اہمیت کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے۔ پاکستان میں کوئی قابل ذکر لائبریری موجود نہیں تقسیم کے وقت غیر منقسم ہندوستان کی جن لائبریریوں سے پاکستان کو بہ حیثیت ایک مالک کے حصہ ملنا چاہیئے تھا وہ نہیں ملا۔ یہ صریح ناانصافی ہے۔ اس کی تلافی کی یہی صورت ہے کہ ہم انڈیا آفس لائبریری سے محروم نہ ہوں۔ پاکستان یہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہے کہ اس لائبریری کو اس کی تحویل میں دے دیا جائے۔ اگر ہندوستان اس میں سے حصہ لینا ہی چاہتا ہے تو اسے ہمیں بھی غیر منقسم ہندوستان کی تمام لائبریریوں کا حصہ دینا چاہئے۔ ورنہ یہ ہونا چاہئے کہ لائبریری پاکستان میں منتقل ہو جائے اور ہندوستان کو اسے استعمال کرنے کی پوری پوری آسانیاں حاصل ہوں۔ ہمیں توقع ہے کہ حکومت پاکستان یہی موقف اپنائے گی اور اسی پر شدت سے قائم رہیگی۔

عید اور پانی

تدبیر امور میں بدنظمی کے مظاہرے تو آئے روز ہر شعبے میں ہوتے رہتے ہیں اور ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جسے نظر انداز یا معاف کیا جائے۔ لیکن کراچی میں عید کے دن پانی کی تقسیم کے سلسلہ میں جو مذاق روا رکھا جاتا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے اور از حد ناقابل برداشت۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ عید کے دن کئی علاقوں میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں آتا۔ یہ عجیب بات ہے کہ عید کی صبح کو اچانک تمام نلکے خشک ہو جاتے ہیں اور سارا دن یا دن کا بیشتر حصہ خشک رہتے ہیں۔ جن بیچاروں کو عید کے دن صفائی کے لئے تو کیا پینے تک کے لئے پانی نہیں ملتا ان کے متعلق اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ خداوندان آب کو کیا کیا دعائیں دیتے ہوں گے

واضح رہے کہ پانی کی یک لخت بندش کسی خرابی کی وجہ سے نہیں ہوتی بلکہ عملہ کی تغافل شعاری اور سنگدلی کی وجہ سے ہوتی ہے۔ بعض علاقوں کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ تحقیق حال کے بعد پتہ چلا کہ پانی کھولنے والے صاحب خود عید کی تیاریوں میں مصروف تھے اور انھیں اس کی فرصت ہی نہیں تھی کہ اپنے علاقے میں پانی چھوڑتے۔ چنانچہ وہ جب عید منا کر فارغ ہو گئے تو انھوں نے پانی کھولا اور لوگوں کی جان میں جان آئی۔ اب کے بھی عید پر یہی کچھ ہوا۔ ہمیں کئی علاقوں سے پانی بند رہنے کی شکایات موصول ہوئی ہیں بعض علاقوں میں تو عید کو اور عید سے پہلے ایک دن یعنی پورے دو دن پانی بند رہا اور حد یہ ہے کہ نہ اس کا اعلان کیا جاتا ہے کہ کس وجہ سے پانی بند رہے گا اور نہ اس کے بعد ہی یہ بتایا جاتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نہ تو متعلقہ عملہ یہ محسوس کرتا ہے کہ اس کا فریضہ منصبی اپنے علاقے میں پانی مہیا کرنا ہے اور نہ حکام بالا بازپرس یا اصلاح احوال کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔

ہم حکومت کو مشورہ دیتے ہیں کہ وہ کم از کم تہوار کے موقع پر اتنی پیش بندی کر لیا کرے کہ پانی کی بہم رسانی کا سلسلہ چلتے چلتے بلا وجہ رک نہ جایا کرے۔ پانی کے اوقات عید کی ضروریات کے مطابق بدلے جا سکتے ہیں لیکن پانی بند رکھنے کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں ہو سکتی۔

دستور پاکستان

قرآن نظام معاشرت کا جو نقشہ پیش کرتا ہے اس کی رو سے

(۱) تمام افراد معاشرہ کی ضروریات زندگی بہم پہنچانے کی ذمہ داری حکومت کے سر ہوتی ہے

(۲) وسائل پیداوار پر انفرادی ملکیت نہیں ہوتی بلکہ وہ ملت کی مشترکہ تحویل میں رہتے ہیں۔ تاکہ مملکت ربوبیت عامہ کی کفیل ہو سکے۔

طلوع اسلام میں اس نظام کی تفصیل اور تشکیل سے متعلق بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ اس پر خصوصیت سے کتاب

"نظام ربوبیت"

میں بحث کی گئی ہے۔

اگر آپ اس سے اتفاق کرتے ہیں کہ پاکستان میں ایسا ہی نظام رائج ہونا چاہیئے تو آپ مجلس دستور ساز سے مطالبہ کیجئے کہ آپ یہی اور صرف یہی نظام چاہتے ہیں۔

طلوع اسلام کثیر تعداد میں شائع ہو کر پاکستان و ہندوستان کے علاوہ غیر ممالک میں ہر طبقے کے لوگوں کے پاس جاتا ہے۔ اس میں چھپنے والے اشتہارات ہزاروں خریداروں کی نظروں سے گذرتے ہیں۔

نرخنامہ اشتہارات، و تفصیلات ناظم ادارہ (شعبۂ اشتہارات) سے حاصل کیجئے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳، کراچی

طلوع اسلام کی قیمت

اس اشاعت سے چار آنے کی بجائے چھ آنے کردی گئی ہے۔ قارئین اور ایجنٹ حضرات مطلع رہیں۔

ناظم

تاریخی شواہد

(۲۶)

کرنے کو تو ان لوگوں نے معاہدہ کرلیا تھا۔ لیکن سرمایہ پرستی، اور اقتدار خواہی کی لذت اتنی آسانی سے چھوٹا نہیں کرتی۔ اس لئے انھوں نے اپنے قول وقرار کی ذرا بھی پرواہ نہ کی اور اونٹنی کو ہلاک کردیا۔

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ (۷/۷۷)

غرضیکہ انھوں نے اونٹنی کو کاٹ ڈالا۔ اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی۔ انھوں نے کہا۔ اے صالح اگر تم واقعی پیغمبروں میں سے ہو، تو اب وہ بات ہم پر لا دکھاؤ جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو۔

اونٹنی کو کسی نے یونہی اتفاقیہ زخمی نہیں کیا۔ بلکہ ان سرکشی کرنے والوں نے خاص اہتمام سے اپنے سرغنہ کو بلایا۔ اور اس نے بھرپور ہاتھ سے اسے ہلاک کیا۔

فَنَادَوْا صَاحِبَهُمْ فَتَعَاطٰى فَعَقَرَ ۝ (۵۴/۲۹)

چنانچہ انھوں نے اپنے ساتھی کو پکارا (بلایا) پس اس نے (اونٹنی پر ایک بھرپور) وار کیا اور ہلاک کر ڈالا!

ہلاک کرنے کو تو کر گئے۔ لیکن جب اس کا احساس بیدار ہوا کہ ہم نے کس قدر پختہ عہد کیا تھا اور اب اس سے کس طرح بیدردی سے پھر گئے ہیں تو۔ دل میں ارتعاش پیدا ہوا۔

فَعَقَرُوْهَا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ ۝ (۲۶/۱۵۷)

غرضیکہ انھوں نے اس (اونٹنی) کو ہلاک کر ڈالا مگر (پھر بعد میں) نادم ہوئے (مگر یہ ندامت کچھ کام نہ آسکی)

اب اتمام حجت ہو چکی تھی۔ ان سے کہا گیا کہ۔

فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ۝ (۱۱/۶۵)

صالح نے کہا۔ (اب تمہیں صرف) تین دن (کی مہلت ہے) اپنے گھروں میں کھا پی لو۔ یہ وعدہ ہے جو جھوٹا نہ نکلے گا!

غور کیجئے۔ انھیں تین دن پہلے بتادیا جاتا ہے کہ اب تمہاری تباہی کے اسباب پیدا ہو رہے ہیں۔ لیکن وہ چونکہ ان کی ہر بات کو جھٹلاتے تھے۔ اس لئے انھوں نے اس وعید کا بھی مذاق اڑایا۔ اور آنے والی تباہی کی کوئی پرواہ نہ کی۔

اس کے بعد وہ کچھ ہوا جس کے تصور سے آج بھی ہر قلب سلیم سینے میں دھڑکنے لگ جائے۔ اور ہر دیدۂ عبرت چشم حیراں بن جائے۔ ان آگ سے بھرے ہوئے (آتش فشاں) پہاڑوں میں ایک دھماکہ ہوا جس سے ایک چیخ، ایک گرج۔ ایک کڑک کی آواز فضا میں گونجی اور قوم ثمود کی بستیاں راکھ کا ڈھیر ہو کر رہ گئیں۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ (۷/۷۸)

پھر ایسا ہوا کہ لرزا دینے والی ہولناکی نے انھیں آلیا۔ اور جب ان پر صبح ہوئی تو گھروں میں اوندھے منہ پڑے تھے!

یہاں اس عذاب کو ایک لرزہ انگیز دہشت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ دوسری جگہ اسے زور کی کڑک سے موسوم کیا گیا ہے۔

وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۙ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ۝ (۱۱/۶۸)

اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا۔ ان کا حال یہ ہوا کہ ایک زور کی کڑک نے آلیا جب صبح ہوئی تو سب اپنے گھروں میں اوندھے پڑے تھے۔ (وہ اس طرح اچانک مرگئے) گویا ان گھروں میں کبھی بسے ہی نہ تھے! تو سن رکھو کہ ثمود نے اپنے پروردگار کے قانون سے انکار کیا۔ اور۔ ہاں سن رکھو کہ ثمود کے لئے محرومی ہوئی!

اسی کا تذکرہ سورۃ الحجر میں ہے۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ۙ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ (۱۵/۸۳-۸۴)

صبح کو اٹھے تو ایک ہولناک آواز نے انھیں آپکڑا اور جو کچھ انھوں نے اپنی سعی وکاوش سے کمایا تھا، وہ کچھ ان کے کسی کام نہ آیا۔

ایک اور مقام پر اسے بجلی کی کڑک کہا گیا ہے۔

وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ (۴۱/۱۷)

اور دیکھو، قوم ثمود کو ہم نے سیدھی (نجات وکامیابی کی) راہ دکھادی تھی مگر انھوں نے راہ یابی پر اندھے پن کو ترجیح دی۔ بالآخر (ذلت اور رسوائی) کے عذاب کی ایک کڑک نے انھیں آپکڑا۔ اور یہ سب کچھ اس (انکار وبدعملی) کی وجہ سے ہوا جو وہ کرتے رہتے تھے۔

اور ان کا انجام!

اِنَّآ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَكَانُوْا كَهَشِيْمِ الْمُحْتَظِرِ ۝ (۵۴/۲۹-۳۱)

ہم نے ان پر ایک چیخ بھیجی اور وہ ایک باڑ لگانے والے کی سوکھی ٹہنیوں کے چورے کی طرح (ریزہ ریزہ ہو کر اور فنا) ہو کر رہ گئے!

قوم ثمود نے حضرت صالح کے خلاف ایک خفیہ تدبیر کی تھی۔ وہ تو ناکام ونامراد رہی۔ اور قانون مکافات کی وہ خفیہ تدبیر جو یوں ان کے پاؤں کے نیچے پختگی کو پہنچ رہی تھی اس طرح ابھری کہ کوئی ابھرنے والا سامنے نہ رہا۔

وَمَكَرُوْا مَكْرًا وَّمَكَرْنَا مَكْرًا وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ مَكْرِهِمْ ۙ اَنَّا دَمَّرْنٰهُمْ وَقَوْمَهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ فَتِلْكَ بُيُوْتُهُمْ خَاوِيَةًۢ بِمَا ظَلَمُوْا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ (۲۷/۵۰-۵۲)

اور (دیکھو) ایک خفیہ تدبیر انھوں نے کی تھی اور ایک خفیہ تدبیر ہم نے کی۔ اور انھیں اس کا کوئی احساس وشعور تک نہ تھا۔ پس ذرا غور تو کرو کہ ان کی خفیہ تدبیر کا انجام کیسا رہا (یہی رہا نا!) کہ ہم نے انھیں اور اُن کی (پوری) قوم کو۔ سب کو تباہ وبرباد کر ڈالا۔ چنانچہ (آج) ان کے مکانات خود ان کے ظلم (انکار وبدعملی) کی وجہ سے (بالکل) ویران پڑے ہوئے ہیں۔ ان واقعات میں بلاشبہ ان لوگوں کے لئے جو حقیقت کا علم رکھتے ہوں۔ (عبرت وموعظت کی بڑی) نشانی ہے۔

وہ اس ہلاکت وتباہی کے خوفناک طوفانِ آتشیں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے لیکن اتنے عاجز وبےبس تھے کہ اپنی حفاظت کا کوئی سامان نہ کرسکے اور اس آفت جہاں سوز سے راکھ کا ڈھیر ہوگئے۔

نوجوانوں کے لئے فکر ونظر کی نئی راہیں:
سلیم کے نام
از:۔ پرویز
قیمت:۔ چھ روپے

اسلام کی سرگزشت

گذشتہ اشاعتوں میں عربوں کے قومی خصائص و امتیازات اور زمانۂ جاہلیت کی حیات عقلیہ کی کیفیت بیان ہو چکی ہے۔ عربوں کی حیات عقلیہ کے مظاہر میں سے لغت اور زبان کا بیان ہو رہا تھا۔ آج کی فرصت میں عربوں کی شعر و شاعری سے گفتگو کی گئی ہے۔

یہ کہنا تو صحیح ہے کہ حکام اور شعراء یقیناً عوام الناس سے عقلی طور پر زیادہ ترقی یافتہ ہوتے تھے۔ لیکن شعراء ان حکام سے زیادہ ترقی یافتہ نہیں ہوتے تھے۔ متنازعہ فیہ مسائل کے فیصلے یہ حکام ہی کیا کرتے تھے۔

ہر قبیلہ میں ایک یا ایک سے زیادہ حاکم ہوا کرتے تھے ان میں سے بہت سے لوگ مشہور ہیں مثلاً اکثم بن صیفی حاجب ابن زرارہ، اقرع ابن حابس اور عامر ابن الظرب وغیرہ۔ لٹریری کتابوں میں ان کے جو اقوال و احکام نقل کئے جاتے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شعراء کی بہ نسبت عقلیت میں زیادہ ترقی یافتہ اور رائے میں زیادہ صادق اور سچے ہوتے تھے۔ اگرچہ شعراء ان کے مقابلہ میں زیادہ وسیع الخیال ہوتے تھے۔ اور بات کو مختلف طریقوں سے ادا کرنے کی زیادہ قدرت رکھتے تھے۔

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ عام طبقات کی بہ نسبت شعراء عقلی اعتبار سے زیادہ ترقی یافتہ تھے۔ اس کی دلیل خود ان کے اشعار میں یا وہ باتیں ہیں جو کتب ادب میں بکھری ہوئی پڑی ہیں جن کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ وہ عقلی ترقی کی جہت سے اپنی طرف سے کافی اہتمام کرتے تھے۔ چنانچہ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ طفیل دوسی (قبیلۂ دوس کا مشہور شاعر) کو معظمہ میں آیا تو قریش کے لوگوں نے اسے ڈرایا کہ رسول اللہ صلعم کے پاس نہ جائے اور ان کی باتیں نہ سنے کہیں وہ ان سے متاثر نہ ہو جائے۔ طفیل کا بیان ہے کہ لوگ اسے برابر سمجھاتے رہے حتیٰ کہ میں نے طے کر ہی لیا کہ میں رسول اللہ صلعم کی کوئی بات سنوں گا ہی نہیں۔ لیکن پھر میں نے اپنے دل میں سوچا "میری ماں مجھے روئے۔ میں ایک ذہین اور ہوشیار آدمی ہوں شاعر ہوں۔ حسن و قبح میں فرق کرنے کی تمیز رکھتا ہوں۔ مجھے اس شخص کی باتیں سن لینے سے کون چیز مانع ہو سکتی ہے آخر وہ کیا کہتا ہے۔ جو کچھ وہ کہتا ہے اگر وہ اچھی بات ہوگی تو میں اسے قبول کر لوں گا۔ اور اگر بری بات ہوگی تو میں اسے نہیں مانوں گا" اس پر اتنا اضافہ اور کر لیجئے کہ زمانہ جاہلیت کے اکثر شعراء کے متعلق ہمیں معلوم ہے کہ وہ اپنی قوم میں نہایت معزز اور ممتاز ہوتے تھے۔ کیونکہ ان شعراء کا مقام ان کے قبیلہ میں اپنے قبیلہ کے مناقب و فضائل کے گن گانے، ان کے مُردوں کا مرثیہ کہنے، ان کے دشمنوں کی ہجو کہنے کا مقام ہوتا تھا۔ ابتداء عہد میں عربوں میں بہت کم کوئی فقیر آدمی ملے گا۔ جس نے شعر و شاعری کو اپنا پیشہ بنا لیا ہو۔ جیسا کہ بعد میں حطیئہ شاعر نے کیا

بہرحال ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ عرب میں شعراء عقلی اعتبار سے ان کے عام طبقات سے زیادہ ترقی یافتہ ہوتے تھے لیکن ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ وہی سب سے زیادہ ترقی یافتہ ہوتے تھے۔

حیاتِ عقلیہ پر شعر کی رہنمائی

قدیم زمانہ سے لوگ کہتے آئے ہیں کہ شعر عرب کا دیوان اور دفتر ہے؛ جس سے ان کا یہی مطلب ہوتا ہے کہ یہ ایک ایسا دفتر ہے۔ جس میں ان کے اخلاق، عادات، دیانت اور عقلیت تمام چیزیں مکمل طور پر پیش کی گئی ہیں بالفاظ دیگر یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اپنے اشعار میں اپنے آپ کو صحیح طور پر پیش کر دیا ہے۔ پرانے زمانہ کے ادیب عرب کے جاہلی اشعار سے برابر استفادہ کرتے رہے ہیں چنانچہ انھوں نے ان کے بعض مشہور جنگوں کے حالات کا انہی اشعار سے پتہ لگایا ہے۔ انہی اشعار سے انھوں نے عربوں کے ان اخلاق و عادات کو معلوم کیا ہے۔ جنھیں قابل مدح یا لائق مذمت سمجھتے تھے۔ انہی اشعار سے انھوں نے جزیرۂ عرب اور جزیرۂ عرب میں جو جو شہر، پہاڑ، ٹیلے، نرم اور نشیبی زمینیں وادیاں، پودے اور جانور ہوتے تھے ان کا پتہ لگایا ہے نیز جنات، اصنام اور خرافات کے بارے میں ان کے کیا کیا عقائد تھے یہ تمام باتیں جاہلیت کے اشعار ہی سے معلوم کی گئی ہیں۔ ان حضرات نے ان تمام موضوعات پر ضخیم ضخیم کتابیں تصنیف کر ڈالی ہیں۔

اس دفتر سے نفع اندوزی کا بہترین طریقہ یہ تھا کہ علماء ان تمام جاہلی اشعار کی طرف توجہ کرتے جو ان کے نزدیک صحیح ثابت ہوتے۔ انھیں سند اور متن دونوں کی تنقید کرنی چاہیئے تھی ان تمام اشعار سے دور رہنا چاہیئے تھا جو صحیح نہیں تھے جیسا کہ محدثین نے حدیث کے بارے میں کیا تھا لیکن افسوس ہے کہ جاہلی اشعار کا کوئی ایسا مجموعہ نہیں ہے۔ جس کی سند بیان کی گئی ہو اور اس کے راویوں کے حالات کو اس طرح مکمل طور پر منضبط کیا گیا ہو۔ جیسا کہ ہمارے پاس صحیح بخاری اور مسلم وغیرہ موجود ہیں۔ جب کہ ہم جاہلی اشعار کو عرب کا دیوان شمار کرتے ہیں۔ جن میں ان کے وقائع و حوادث اور ان کے اخلاق و عادات کی تفصیلات بیان ہوئی ہیں۔ تو ہمیں ان اشعار کے ساتھ یہ تمام اہتمام کرنے ضروری تھے۔ ہمیں ان اشعار کی طرف اس نگاہ سے دیکھنا چاہیئے تھا۔ جیسا کہ تاریخی دستاویز کی طرف دیکھا جاتا ہے۔ لیکن جاہلی اشعار کی طرف عموماً اس نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ رواۃ اور ادباء قطعاً اس طرف توجہ نہ کرتے تھے۔ وہ لوگ ان اشعار کی طرف محض اس نقطۂ نظر سے دیکھتے تھے کہ وہ زبان و لغت کی تعلیم کا سرچشمہ، یا لطائف و ظرائف کا ذریعہ اور حسن گفتگو کا منبع تھا۔ ان اشعار کے ساتھ وہ اہتمام نہیں کیا گیا جو مثلاً حدیث کے ساتھ کیا گیا تھا۔ کسی راوی کو ان اشعار کے متعلق کبھی یہ اندیشہ بھی نہیں ہوا کہ جو شخص ان میں جان بوجھ کر جھوٹ بولے گا۔ اس کا ٹھکانا جہنم بن جائے گا۔

کچھ ادیبوں نے ادب میں بھی وہی طریقہ اختیار کرنا چاہا تھا جو حدیث میں رائج تھا۔ چنانچہ وہ لغات کو عنعنہ (میں نے اس سے اور اس نے فلاں سے اور فلاں نے فلاں سے) کے ساتھ سند کے ساتھ بیان کرنا چاہا۔ بعض لوگوں نے ادب کی روایت کے لئے حدیث کی اصطلاحات کے نمونہ پر کچھ اصطلاحات بھی مقرر کیں۔ لیکن ان کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ محض ابتدائی کوششوں کی حد تک ہی رہ سکیں۔ اور وہ پختگی حاصل نہیں کر سکیں۔ یہ ادیب اس طریقہ پر چل کر کسی انتہا تک نہیں پہنچ سکے۔

ایسے ہی زیادہ تر جاہلی اشعار جو بیان کئے گئے ہیں وہ منتخب اشعار ہیں۔ اور منتخب اور بہترین اشعار کو جمع کرنے کی زیادہ کوشش کی گئی ہے۔ یہ حضرات ان اشعار کی طرف ایک ادیب کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ایک مورخ کی نظر سے نہیں دیکھتے۔ وہ قصیدہ جس کی نشست الفاظ زیادہ محکم اور بہتر نہ ہو۔ جس کے الفاظ زیادہ تر نگینوں کی طرح ترشے ہوئے نہ ہوں۔ جس کا وزن زیادہ تر صحیح اور مستقیم نہ ہو اسے ایک مورخ بہت پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھ سکتا ہے اتنی پسندیدگی کی نگاہ سے جتنی وہ ایک ہر جہت سے مکمل قصیدہ کو نہیں دیکھ سکتا کیونکہ اس میں اسے عربوں کی حیات عقلیہ کے تدریجی ارتقاء کی طرف رہنمائی ملتی ہے جو ایک بلند مرتبہ قصیدہ میں نہیں مل سکتی اس سے وہ اندازہ کر سکتا ہے کہ عربوں نے جب ابتداءً شعر گنگنانے شروع کئے تھے تو ان کی کیا نوعیت ہوا کرتی تھی اور آہستہ آہستہ وہ اپنی ارتقائی منازل طے کرتے کرتے کس منزل تک کتنے عرصہ میں پہنچ گئے ہیں۔ ایسا ہونا اسی وقت ممکن ہو سکتا تھا کہ جب ہمارے پاس عربوں کی مختلف ارتقائی منزلوں سے متعلق اشعار کا ذخیرہ موجود ہوتا۔ مگر افسوس کہ ایسا نہیں ہے ہمارے پاس جو اشعار کا ذخیرہ ہے وہ عربوں کی صرف آخری ارتقائی منزل سے متعلق اشعار کا ذخیرہ ہے۔ شاید یہی سبب ہے کہ باوجودیکہ ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ شعر و شاعری بھی نشو و ارتقاء کی ان تمام منازل سے گذری ہے۔ جن سے دوسری علمی چیزیں گذرتی ہیں۔ لیکن بہت ہی کم ایسا ملے گا۔ کہ کسی مصنف نے کوئی ایسے اشعار نقل کئے ہوں جن سے معلوم ہو سکے کہ عرب کے شعراء نے ابتداءً شعر کہنے کس طرح شروع کئے تھے؟

مجلسِ اقبال

مثنوی اسرارِ خودی

باب اوّل ۔ دربیان اینکہ اصل نظام عالم از خودی است و تسلسل حیات تعینات وجود بر استحکام خودی انحصار دارد۔

اب ہم تمہید کے بعد اصل مثنوی پر آپہنچے ہیں۔ اس کے پہلے باب کا عنوان، جسے ہم نے اوپر درج کردیا ہے، اقبال کے مرکزِ فکر میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس میں حضرت علامہ نے دو باتیں کہی ہیں۔ (۱) اصل نظام عالم از خودی است۔ (۲) تسلسل حیات تعینات وجود بر استحکام خودی انحصار دارد۔

خودی کے متعلق ہم، شروع میں، مختلف اطراف و جوانب اور متعدد نقاطِ نگاہ سے اس قدر شرح و بسط سے لکھ چکے ہیں کہ اب اس کی مزید تفصیل و تشریح کی ضرورت نہیں۔ بہتر ہے کہ آپ ایک مرتبہ اُن مباحث کو سامنے لے آئیں تاکہ اس کے صحیح مفہوم کی یاد تازہ ہوجائے۔ فکرِ اقبال کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ تمام عالم خودی ہی کے ذوقِ نمود کا مظہر ہے۔ خودی، زندگی اور توانائی ہے لیکن یہ توانائی مشہود اس وقت ہوسکتی ہے جب یہ اپنے آپ کو مقید کردے۔ جب کوئی ذات اپنے آپ کو مقید کرتی ہے تو تصوف کی اصطلاح میں اسے "تعین" کہا جاتا ہے۔ یعنی تصوف کی رُو سے یہ تعینات کے پردے ہیں جو کسی شے کے وجود کا موجب بنتے ہیں۔ اقبال نے "تعینات وجود" کی اصطلاح تو تصوف کے لٹریچر ہی سے لی ہے۔ لیکن خودی کے متعلق اس کا بنیادی تصور، تصوف کے تصور سے بالکل متضاد ہے۔ (اس کی تشریح ذرا آگے چل کر آتی ہے)

مثنوی کے پہلے باب کے عنوان میں جن دو امور کا ذکر اوپر کیا جاچکا ہے ان میں سے پہلی چیز یہ ہے کہ نظامِ عالم کی اصل خودی سے ہے۔ نظامِ عالم کی اصطلاح سے اقبال نے ذہن کو اس طرف منتقل کردیا کہ کائنات میں ایک نظم وضبط ہے۔ یہ وہ تصور ہے جو خدا کے ماننے والوں کو مادہ پرستوں سے بالکل الگ کردیتا ہے۔ "نظم" سے مفہوم یہ ہے کہ اس کائنات میں ہر چیز ایک قاعدہ اور قانون کے ماتحت چل رہی ہے اور کائنات کی تخلیق کا ایک خاص مقصد ہے۔ اس لئے کہ جب تک مقصد متعین نہ ہو، حرکت بے معنی ہوجاتی ہے۔ حرکت ایک نظام کے تابع اُسی صورت میں رہتی ہے جبکہ اس کا رُخ کسی متعین نقطہ کی طرف ہو۔ لیکن سمت یا اس کا منتہیٰ متعین نہیں ہوسکتا جب تک پہلے اس پورے پروگرام کا مقصد متعین نہ ہو۔ لہٰذا نظامِ عالم کی اصطلاح سے اقبال اس تصور کو سامنے لے آیا ہے کہ کائنات بالحق پیدا کی گئی ہے۔ ایک مقصد کے ماتحت۔ ایک نظم وضبط کے تابع۔ اقبال کا کہنا یہ ہے کہ کائنات کا بالفعل وجود میں آنا خودی کے ذوقِ نمود ہی کی وجہ سے ہے۔ خودی اپنے ذوقِ نمود سے تعینات میں گھِر کر مقید ہوجاتی ہے اور اس طرح اپنے اوپر خود عاید کردہ پابندیوں سے ایک محسوس اور مشہود شکل اختیار کرلیتی ہے جو قاعدہ اور قانون کے ماتحت باقی رہتی اور قاعدہ اور قانون ہی کے مطابق آگے بڑھتی ہے۔

یہ حقیقت کہ خودی، تعینات کے پردوں کے اندر مقید ہوکر ہی وجود پذیر یا محسوس و مشہود ہوسکتی ہے ایک مثال سے سمجھ میں آسکتی ہے۔ بجلی (Electricity) کیا ہے؟ اس کے متعلق ہم اس سے زیادہ کچھ نہیں سمجھ سکتے کہ وہ حرکتِ محض (PURE MOTION) یا توانائی (ENERGY) ہے۔ لیکن جب یہ حرکتِ محض یا توانائی کسی شے کے اندر محصور ہوجاتی ہے تو ہم اس (ELECTRIFIED OBJECT) سے خود بجلی کا احساس کرلیتے ہیں۔ اقبال کا کہنا یہ ہے کہ خودی، توانائی یا زندگی ہے۔ وہ جب اپنے آپ کو متعین یعنی مقید کرلیتی ہے تو پھر وہ منفرد (INDIVIDUALISED) یا متشخص (PERSONIFIED) ہوجاتی ہے۔ اس کو دوسرے الفاظ میں یوں کہتے ہیں کہ خودی، وجود پذیر ہوگئی۔ یعنی اس نے ایک شکل (FORM) اختیار کرلی۔ اقبال نے اپنے خطبات میں کہا ہے کہ "زندگی جہاں بھی ہے منفرد ہے۔ عالمگیر حیات کوئی شے نہیں۔ خدا خود ایک فرد ہے۔ بے مثال و بے نظیر فرد۔ یعنی احدیت اور صمدیت کا حامل انائے مطلق"۔

اب ہم فکرِ اقبال کے دوسرے گوشے کی طرف آتے ہیں۔ اقبال کہتا ہے کہ جب خودی ایک معین شکل یا وجود اختیار کرلیتی ہے۔ یعنی جب اسے انفرادیت یا تشخص حاصل ہوجاتا ہے۔ تو اس کے بعد یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی یہ انفرادیت باقی رہے اور آگے بڑھے۔ اس کا نام اقبال کی اصطلاح میں "تسلسل حیات تعینات وجود" ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ زندگی اسی طبعی زندگی کا نام نہیں۔ اگر خودی مستحکم ہوجائے تو وہ اس طبعی زندگی کے بعد بھی باقی رہتی ہے اور ارتقا کی اگلی منازل طے کرتی چلی جاتی ہے۔ اس حقیقت کی تبیین سے اقبال نے ایک بہت بلند تصور کو پیش کیا ہے۔ وہ اپنے خطبات میں لکھتے ہیں کہ "خودی کی انفرادیت یا تشخص کا تصور، کائنات میں اقدار کا معیار بہم پہنچاتا ہے۔ اس معیار کی رُو سے "خیر" اس عمل کو کہتے ہیں جو خودی کو مستحکم کرے اور "شر" وہ ہے جو خودی کی کمزوری کا باعث بنے۔ اگر کوئی فرد ایسے اعمال کا حامل ہے جو اس کی خودی کو مستحکم کرتے ہیں تو یہ خودی حیاتِ جاوید حاصل کرلیتی ہے۔ (انہی کو قرآن نے "اعمالِ صالحہ" کہہ کر پکارا ہے) اس کے برعکس اگر اس سے ایسے اعمال سرزد ہوں جن سے خودی میں ضعف پیدا ہو تو وہ زندگیٔ جاوید کا مستحق نہیں ہوتا۔ اس لئے اقبال کی بنیادی فکر کا دوسرا گوشہ یہ ہے کہ زندگی کا تسلسل استحکامِ خودی پر منحصر ہے۔ اقبال کا پیغام اور اس کا پورے کا پورا فلسفہ اسی بنیادی فکر کی تشریح ہے۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں سے یہ تصوف سے بالکل متضاد سمت میں چلا جاتا ہے۔ تصوف (ریا ویدانت) کی بنیاد اس تصور پر ہے کہ جب تک انسانی خودی باقی رہتی ہے، روح اپنی اصل (یعنی ذاتِ خداوندی) سے دور اور الگ رہتی ہے۔ زندگی کا منتہائے کمال یہ ہے کہ انسانی خودی کو فنا کردیا جائے تاکہ جُزو اپنے کل میں جذب ہوکر عشرتِ دوام حاصل کرلے۔ یعنی تصوف میں، مقصودِ زندگی، فنائے خودی ہے اور اقبال کے ہاں، استحکامِ خودی۔ مثنوی اسرار و رموز میں اسی فلسفہ سے بحث کی گئی ہے اور وہ طریقِ عمل بتایا گیا ہے جس سے انسانی خودی استحکام حاصل کرسکتی ہے۔

عنوان کی اس مختصر سی تشریح کے بعد، اب ہم اصل مثنوی کی طرف آئیں گے۔

عورت کا قرآن

(۲۱)

"ماں" اور "بیٹی" سے نکاح

قرآن مجید نے محرماتِ نکاح میں "ماں اور بیٹی" کا ذکر کیا ہے۔ اس سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیئے کہ "نانی اور پوتی" سے نکاح درست ہے جس طرح "ولد" سے مراد صرف بیٹا ہی نہیں بلکہ بیٹے کی اولاد بھی ہے جس طرح والد کے معنی صرف باپ نہیں بلکہ دادا اور پر دادا بھی ہیں۔ اسی طرح "ماں" سے مقصود صرف "ماں" نہیں بلکہ اس کے اوپر کے تمام افراد۔ اور "بیٹی" سے مطلب محض بیٹی نہیں بلکہ اس کے نیچے کے سارے لوگ بھی ہیں۔ اس لئے ان سب کا شمار محرماتِ نکاح میں ہوگا

دو بہنوں کا ایک ساتھ جمع ہونا

قرآن مجید میں صرف دو سگی بہنوں ہی کے اکٹھا کرنے کی ممانعت مذکور ہے مگر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اسلام نے خالہ بھانجی اور پھوپھی بھتیجی کا جمع کرنا بھی منع کر دیا ہے مالک رام اپنی کتاب "عورت اور اسلامی تعلیم" میں صحیح فرماتے ہیں کہ :-

> اس سے یہ ایک عام اصول مستنبط ہوتا ہے کہ کسی شخص کے نکاح میں
> ایسی دو عورتیں بیک وقت جمع نہیں کی جا سکتیں کہ اگر ان میں سے ایک
> مرد ہوتی۔ تو دوسری سے اس کا نکاح حرام ہوتا۔ یعنی اگر اُن دونوں کا رشتہ
> ایسا ہے کہ ایک کے مرد ہونے کی صورت میں نکاح حرام ہو جاتا، تو وہ دونوں
> عورتیں ایک شخص کے نکاح میں بھی جمع نہیں ہو سکتیں :- (صفحہ ۶۲)

اگر اس حدیث کی صحت تحقیق و تصدیق ہو جائے تو یقیناً یہ اصول مستنبط ہو جاتا ہے بات یہ ہے کہ ہمیں پہلے جاننا یہ چاہیئے کہ احکام الٰہی کیا ہیں؟ اس علم کے بعد اگر یہ معلوم ہو جائے کہ خدا کا حکم یہ ہے کہ فلاں چیز حرام نہیں ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ چونکہ حرام نہیں ہے اس لئے یہ جائز ہے۔ حرام چیزوں میں سوائے مردار، بہتا ہوا خون، سؤر اور اس چیز کے جو غیر اللہ سے نامزد ہوئی ہو۔ پانچویں کوئی چیز حرام نہیں بتائی گئی ہے مگر اس کے معنی یہ تو نہیں ہیں کہ مسلمان کتا۔ بلی۔ چوہا کھانے ہی لگیں۔ مرتع تقاضائے صحت پسندیدہ و مرغوب اور مقتضائے مصلحت کیا ہے؟ یہ دیکھنا تو مسلمان کا فرضِ عین ہے۔

رضاعی بہن سے نکاح

عام طور سے یہ غلط فہمی پھیلی ہوئی ہے کہ رضاعی ماں کی کسی اولاد سے بھی نکاح نہیں ہو سکتا۔ یہ بالکل غلط ہے "رضاعت" کی مدت خود قرآن مجید نے دو سال بتائی ہے۔

> وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ
> كَامِلَيْنِ (بقرہ ۳۰)
>
> اور پورے دو برس تک مائیں بچے کو دودھ پلائے

یہ دو سال اگر کوئی بچہ کسی عورت کا دودھ پیئے۔ تو وہ عورت اس کی ماں کی حیثیت رکھے گی۔ اور جس بچی نے اس بچے کے ساتھ دودھ پیا ہے۔ ان دونوں کا باہم نکاح نہیں ہو سکتا۔ اور از روئے حدیث تو حرمتِ رضاعت صرف ایسے موقع پر دودھ پلانے سے متعین ہوگی۔ جب بچے کو بھوک کی حالت میں دودھ پلایا جائے محض دو ایک گھونٹ پی لینا بھی حرام نہیں کرتا۔ یعنی کوئی عورت کسی بچے کو یونہی چند گھونٹ تفریحاً دودھ پلائے تو وہ عورت اس بچے کی رضاعی ماں نہ ہو جائے گی۔ لیکن اگر قرآن مجید ہی کو سامنے رکھا جائے تو بھی یہ ثابت ہے کہ "رضاعی ماں کی ہر اولاد سے نکاح حرام نہیں بلکہ صرف ان دونوں کا نکاح نہیں ہو سکتا جن بچوں اور بچیوں نے ساتھ دودھ پیا ہے۔ اسی طرح دو سال تک کی عمر تک ہی "رضاعت" محدود ہے۔ اس عمر میں جو بچہ کسی عورت کا دودھ پیئے گا۔ وہ عورت اس کی "رضاعی ماں" ہوگی لیکن اس عمر کے بعد اگر کوئی ضرورتاً یا سہواً یا قصداً کسی عورت کا دودھ پی لے تو وہ عورت اس کی "رضاعی ماں" ہرگز نہ ہوگی۔ آج مسلمانوں میں بہت سی موزوں شادیاں محض اس لئے رک جاتی ہیں کہ دودھ پلانے والی رضاعی ماں کی سب اولاد رضاعی بھائی یا بہنیں کہی جاتی ہیں۔ حالانکہ یہ سراسر خلاف قرآن ہے۔[1]

متبنّٰی بیٹے کی بیوی سے نکاح

زیادہ تر وہ لوگ جن کو اولاد نہیں ہوتی۔ اور کمتر بعض صاحبِ اولاد بھی کسی بچے کو گود لے کر بطور اولاد پرورش کرتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ وہ سارے سلوک و مراسم ادا کرتے ہیں۔ جو اپنی صُلبی اولاد سے کئے جاتے ہیں۔ اور عربی میں "متبنّٰی" اور ہندی میں "لے پالک" کہتے ہیں۔ یعنی لے کر پالا ہوا۔ گود لیا ہوا۔ فرزندی میں قبول کیا ہوا۔ ایسا بیٹا حقیقتاً تو بیٹا ہوتا نہیں۔ مگر ویسے یوں ہی کہا جاتا ہے اسی لئے اس کو "منہ بولا بیٹا" بھی کہا جاتا ہے۔ اپنے حقیقی بیٹے کی بیوی سے نکاح نہ کرنے کا رواج عرب میں اسلام سے پہلے بھی تھا۔ اور قرآن مجید نے بھی "بہو" سے نکاح کو حرام قرار دیا۔ مگر "منہ بولے بیٹے" کو جو حقیقی بیٹا تصور کر کے اہلِ عرب ان کی بیویوں سے بھی نکاح کو ناجائز سمجھتے تھے۔ قرآن مجید نے اس کی تردید و تغلیط کی اور ایام جاہلیت کے اس خیال کا ابطال کیا۔ اور بتایا کہ وہ حقیقتاً بیٹا نہیں ہوتا۔ اس لئے اس کی منکوحہ سے نکاح جائز ہے۔ مگر آج کل زمانہ مسلمانوں میں جاہلیت کی یہ رسم پھر جاری و ساری ہے کہ وہ متبنّٰی کی بیویوں کو حقیقی بہو تصور کر کے ان سے نکاح کو ناجائز سمجھتے ہیں، چاہے اس کا حشر جو کچھ بھی ہو۔ اور اس حماقت سے معاشرہ میں کیسا ہی کچھ فساد برپا کیوں نہ ہو جائے۔

حضرت زیدؓ کے سلسلہ میں سورۂ احزاب کے پانچویں رکوع کی جو آیت نقل ہوئی ہے۔ اس سے پہلے اس سورہ کی ابتدا ہی میں ایک آیت یہ ہے :-

> وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ ذَٰلِكُمْ قَوْلُكُم
> بِأَفْوَاهِكُمْ وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ (احزاب)
>
> اور اللہ نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا حقیقی بیٹا نہیں بنایا ہے یہ صرف تمہارے منہ سے کہنے کی بات ہے۔ اور اللہ حق بات فرماتا ہے اور وہ سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔

اس آیت میں بالکل واضح طور پر بتا دیا گیا ہے کہ "منہ بولا بیٹا" سچ مچ "بیٹا" نہیں ہو جاتا اور وہ "صلبی اولاد" کی طرح نہیں ہوتا بلکہ غیر ہی رہتا ہے۔ اس کے بعد اسی سورہ کے پانچویں رکوع میں حضرت زیدؓ اور حضرت زینبؓ کا قصہ بیان کیا گیا۔ اگرچہ بظاہر وہ آیت ذاتِ رسالت سے تعلق رکھتی ہے۔ اس لئے اس کو "امہات المومنین" کے سلسلہ میں درج کیا گیا ہے مگر جیسا کہ خود قرآن مجید نے ذکر کیا ہے۔ وہ صرف ایک قصہ نہیں بلکہ "قانون اسلامی" کی ایک "دفعہ" کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور صرف ذاتِ رسالت ہی سے متعلق نہیں بلکہ اس میں ایک اصول بیان کیا گیا ہے۔ جس کا سروکار امت سے بھی ہے۔ لہٰذا وہ آیت یہاں بھی نقل کی گئی ہے۔ جس میں صاف مذکور ہے کہ اگر کسی شخص کو متبنّٰی اور منہ بولا بیٹا بنا لیا جائے تو وہ حقیقتاً بیٹا نہیں ہو جاتا بلکہ وہ بدستور غیر کا غیر ہی رہتا ہے۔ لہٰذا منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح جائز ہے۔ وہ "حقیقی بہو" نہیں ہو جاتیں جس سے نکاح حرام کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس قانون کو صرف "قال" ہی تک محدود نہیں رکھا۔ بلکہ خود "حال" تک پہنچا دیا ہے اور فرمایا کہ اے رسول ہم نے تمہارے منہ بولے بیٹے زیدؓ کی بیوی سے جس کو زیدؓ نے طلاق دیدی ہے۔ تمہارا نکاح کر دیا۔ اور یہ اس وجہ سے تاکہ :-

> "منہ بولے بیٹوں کی" بیویوں کے "بارے میں" مسلمانوں" پر کوئی تنگی نہ رہے"۔

یعنی ایسا اس لئے کیا گیا ہے کہ مسلمان ایسا کرنے میں کبھی کوئی رکاوٹ اور کسی طرح کی جھجک محسوس نہ کریں۔ چنانچہ اگرچہ آنحضرت صلعم کے پیغام نکاح پر عدت گذر جانے کے باوجود، حضرت زینبؓ نے فرمایا تھا کہ "ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتی" اس لئے کہ حضرت زینبؓ رواج سے مشوش اور سماج سے خائف تھیں۔ مگر جب یہ آیت نازل ہوئی تو ان کا اندیشہ دور ہو گیا۔ اور انھوں نے رسول اللہ صلعم کا پیغام قبول کر کے نکاح کر لیا۔ مگر آج کوئی بھی نہیں سوچتا کہ وہ رسول سے زیادہ معزز تو نہیں ہے۔ پھر کتنی عورتیں ایسی ہیں۔ جن کی زندگی تو تباہ کر دی جاتی ہے۔ مگر ان سے نکاح کرتے ہوئے لوگ شرماتے ہیں کہ دنیا ہنسے گی۔ نعوذ باللہ۔

[1] مصنف کا قرآن سے یہ استدلال محلِ نظر ہے۔ قرآن کے الفاظ سے تمام رضاعی بہنوں کی حرمت ہی معلوم ہوتی ہے (طلوعِ اسلام)

مسند امام احمد بن حنبل

(علامہ تمنا عمادی مدظلہ)

مسند امام احمد بن حنبل حدیث کی بڑی اہم کتابوں میں سے ہے۔ کہا جاتا ہے کہ امام صاحب نے قریب ڈیڑھ لاکھ احادیث سے انتخاب کرکے یہ مجموعہ مرتب فرمایا تھا جس میں قریب تیس ہزار احادیث درج کی گئیں حدیث کے ایسے اہم مجموعہ کے متعلق، علامہ تمنا عمادی کا یہ تحقیقاتی مضمون بڑے غور و فکر کے مطالعہ کا مقتضی ہے۔

طلوع اسلام

حدیث کی بعض کتابیں متاخرین نے خود جمع کیں مگر ان کو اگلے بزرگوں میں سے کسی کے نام کے ساتھ منسوب کر دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عوام تو عوام ہیں بعض خواص بھی کچھ دنوں کے بعد اس نسبت سے دھوکا کھا گئے اور اس کتاب کو انھیں بزرگوں کی تالیف سمجھنے لگے جن کی طرف اس کی نسبت کر دی گئی تھی۔

حافظ ابن حجر نے تعجیل المنفعۃ کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ محمد بن علی بن حمزہ الحسینی نے مسند امام شافعیؒ اور مسند امام ابو حنیفہؒ کا ذکر اس طرح کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے وہ ان کتابوں کو ان بزرگوں کی خاص تالیف سمجھتے تھے، حالانکہ مسند شافعی کو بعض نیشاپوریوں نے کتاب الام وغیرہ سے اور بعض حدیثیں ابو العباس اصم سے لیکر جن کو وہ تنہا ربیع بن سلیمان سے روایت کرتے تھے ایک مسند شافعی مرتب کر رکھی تھی۔

اسی طرح امام ابو حنیفہؒ کے تین سو برس بعد ابو محمد الحارثی نے امام ابو حنیفہ ہی کے شیوخ پر کچھ حدیثیں مرتب کرکے ایک مجموعہ تیار کیا اس کا نام مسند ابی حنیفہ رکھدیا۔ اس کے بعد اسی میں سے مرفوع حدیثیں چن کر ابو بکر بن المقری نے ایک مختصر سی مسند ابی حنیفہ مرتب کی پھر حافظ ابو الحسن ابن المظفر نے بھی ایک مسند ابی حنیفہ جمع کی اور سب سے آخر میں ابن خسرو نے ایک ضخیم مسند ابو حنیفہ لکھ ڈالی جو اگلی کتابوں کی جامع ہے۔

تو جب ابن حمزہ الحسینی جیسے محدث و رجال جو ابن حجر سے بھی متقدم تھے۔ صرف نسبت کی وجہ سے دھوکا کھا گئے تو تا بدیگراں چہ رسد۔

مگر یہ جامعین مسند چونکہ امام شافعیؒ و امام ابو حنیفہؒ سے بہت زیادہ متاخر تھے اور پھر ان کی یہ جمع و تالیف کسی خاص اجتماعی سازش کے ماتحت نہ تھی بلکہ مختلف اشخاص کی الگ الگ کوششیں تھیں اور ہر مؤلف کی کوشش خاص اپنے ہی فرقہ کی تائید میں تھی جس کی وجہ سے دوسرے فرقہ والوں نے ان کتابوں کی نسبت کو صحیح ثابت نہ ہونے دیا اور خود اس فرقے کے ثقہ لوگوں نے بھی دوسروں کی تکذیب کی تائید کی، جیسا کہ ابن حجر نے خود اعتراف کیا کہ مسند شافعی امام شافعیؒ کی تالیف نہیں بلکہ ان کے بہت بعد بعض نیشاپوریوں نے اس کی تالیف کی۔

بخلاف مسند امام احمد کے یہ ایک خاص اجتماعی سازش کے ماتحت جمع کی گئی اور اس کے جامعین کی غرض ہی یہی تھی کہ اسکو جس طرح بھی ہو خاص امام احمد کی تالیف ثابت کرکے رہیں اور اس کا اہتمام امام احمد کی وفات کے کچھ بعد ہی سے نہیں بلکہ عجب کیا ہے کہ ان کی گوشہ نشینی کے وقت ہی سے اس کی تالیفی داغ بیل ڈال دی گئی ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مسند امام شافعی کے جامع کی غرض اس کتاب سے مسلک امام شافعی کی تائید تھی اور مسند امام ابی حنیفہ کے جامع کی غرض سے اس کتاب سے مذہب امام ابو حنیفہ کی تائید تھی۔ اس لئے ان میں سے ہر ایک میں اپنے اپنے رنگ کی حدیثیں جمع کی گئی تھیں۔

مگر مسند احمد میں مسلک امام احمد کے موافق و مخالف ہر طرح کی رطب و یابس روایتیں جمع کر دی گئیں ہیں اور اتنا بڑا ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے کہ ہر فرقے کے موافق بھی کچھ حدیثیں اس میں ملتی ہیں اور مخالف بھی۔

مسند شافعی سے صرف شوافع ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور مسند ابی حنیفہ سے صرف احناف ہی کام نکال سکتے ہیں دوسرے فرقے والے ان کتابوں سے بہت کم مستفید ہو سکتے ہیں۔ مگر مسند احمد سے جس طرح مستفیض ہوتے ہیں بالکل اسی طرح شوافع و احناف و مالکیہ بھی اور صوفیہ اور شیعہ کے لئے تو یہاں خزانے کا دروازہ کھلا ہوا ہے یہاں تک کہ زنادقہ و ملاحدہ بھی اس کی بارگاہ سے محروم نہیں جا سکتے۔

عزازیل گوید نصیبے برم

یہی وجہ ہے کہ مسند شافعی سے احناف کو اختلاف ہو سکتا ہے اور ہے۔ مسند ابی حنیفہ پر شوافع وغیرہم طعن کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں۔ مگر مسند احمد کی پالائش سب کے سب کر رہے ہیں کیونکہ یہ مجموعہ کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ کی ایک عجیب و غریب تماشا گاہ ہے۔ مسند احمد میں چونکہ ہر فرقے کے موافق بھی روایتیں ہیں اور مخالف بھی، اس لئے ہر فرقہ اس کی بعض حدیثیں لینے کے لئے جس طرح ہاتھ بڑھانا چاہتا ہے اسی طرح بعض کی طرف سے ہاتھ کھینچ بھی لیتا ہے اس کے لئے بات یوں بنائی جانے لگی کہ اس میں کچھ تو حدیثیں خاص امام احمد کی ہیں وہ بالکل صحیح ہیں اور کچھ امام احمد کے صاحبزادے عبداللہ کے اضافے ہیں۔ ان میں کچھ ضعیف حدیثیں بھی ضرور ہیں اور کچھ حدیثیں عبداللہ بن احمد کے شاگرد ابو بکر قطیعی کی بڑھائی ہوئی ہیں جن میں ضعیف ہی نہیں بلکہ کچھ موضوعات بھی ہیں۔ اس تقسیم کے بعد ہر فرقے کو اسکا موقع مل جاتا ہے کہ جو حدیث اس کے موافق اس ذخیرے میں ملتی ہے اس کو وہ خاص امام احمد کی حدیث بتاتا ہوا اس کو دانتوں سے پکڑ لیتا ہے اور جو حدیث اسکے مخالف ملتی ہے اس کو عبداللہ کے زیادات یا ابو بکر قطیعی کے اضافے قرار دے کر رد کر دیتا ہے۔

رجال کی چھان بین کرنے والوں کی کافی تعداد دوسری صدی کے اواخر ہی سے پیدا ہو چکی تھی اور یہ فن روز افزوں ترقی پر مدتوں تک رہا۔ مگر باوجود کافی تفحص اور قابل رشک دیانت داری کے نفسانی رجحانات سے ائمہ رجال بھی محفوظ نہ رہ سکے اور جس طرح امام مالکؒ امام احمد و بخاری و مسلم کے شیوخ سے جہاں تک ہو سکا چشم پوشی سے کام لیا گیا اسی طرح ایسے لوگوں کے متعلق بھی عفو و درگزر سے حتی الوسع کام لیا گیا جنسے روایات کا کوئی خاص مقصد وابستہ تھا مثلاً حفص و حمزہ زیات وغیرہما جیسوں کے احکام و سنن کی کبھی کوئی روایت معتبر نہیں سمجھی گئی، مگر اختلاف قرأت کی روایتیں ضرور ان سے لی گئیں، ورنہ وہ قرأتیں جو ان سے مروی ہیں، معدوم ہو جاتیں اور ان کے معدوم ہونے سے قاریوں کے نزدیک قرآن کا ایک حصہ ہی معدوم ہو جاتا۔

اسی طرح سدی و کلبی وغیرہما۔ کہ ہر چند احکام و سنن میں ان جیسوں کی کوئی روایت مقبول نہیں ہوتی، کیونکہ یہ لوگ بالاتفاق وضاع و کذاب ہیں، مگر تفسیری روایتیں کم سے کم سچانوے فیصدی انھیں جیسوں سے مروی ہیں۔ اگر ان لوگوں کو نامعتبر قرار دیکر ان کی تفسیری روایتیں رد کر دی جائیں تو پھر یہ تفسیر کا ذخیرہ تو بالکل غائب ہی ہو جائے گا۔

بالکل اسی طرح مسند احمد کی دو راوی ابو بکر قطیعی جو مسند کی روایت عبداللہ بن امام احمد سے تنہا کر رہے ہیں اور ابن المذہب جو ابو بکر قطیعی سے تنہا مسند کی روایت کرتے ہیں۔ اگرچہ یہ دونوں غیر مُتقن اور حقیقۃً ناقابل اعتبار ہیں مگر ان کو ناقابل اعتبار قرار دیکر ان کے واسطے سے جو مسند احمد کا ذخیرہ مل رہا ہے اس کو غیر مستند سمجھتے ہوئے محدثین رد کر دیتے، تو پھر ایسی نعمت عظمٰی جس سے ہر فرقہ کا کام نکل رہا ہو، کہاں ملتی! اسلئے جس طرح قرأت کے لئے حفص و حمزہ کو گلے لگانا پڑا، اور تفسیری روایتوں کی خاطر سدی و کلبی کے سامنے زانوئے ادب تہ کرتے گوارا کیا گیا۔ اسی طرح مسند احمد کی ضرورت نے ابو بکر قطیعی و ابن المذہب کی پالائش کرنے پر محدثین و ائمہ رجال کو مجبور کر دیا۔

متقدمین نے تو اتنا بھی اعتراف کیا تھا کہ اس انبار روایات میں بعض موضوع روایتیں بھی ہیں مگر وہ صرف ابو بکر قطیعی کے اضافے والی روایتیں ہیں، چنانچہ ابن جوزیؒ[1] و علامہ عراقیؒ[2] نے مثلاً بعض روایتوں کو موضوع قرار دیکر پیش بھی کیا تھا مگر بعد والے اس مسند کے ساتھ اسقدر غلو پیدا کر چکے تھے کہ اس کو بھی برداشت نہ کر سکے کہ ابو بکر قطیعی ہی پر الزام رکھتے ہوئے سہی، اس کتاب میں کسی موضوع حدیث کا وجود بھی تسلیم کیا جائے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر متوفی ۸۵۲ھ جو خود اپنی کتاب لسان المیزان ج ۲ ص ۱۴۳ میں ابن المذہب اور ان کے شیخ ابو بکر قطیعی دونوں کو غیر مُتقن قرار دیتے ہوئے امام ذہبی کا قول نقل کر رہے ہیں کہ "اسی لئے مسند احمد میں ایسی ایسی چیزیں واقع ہو گئیں، جن کی نہ تو متن ہی محکم ہے نہ اسناد ہی"۔ انھیں ابن حجر نے ابن جوزی و عراقی کے جواب اور مسند احمد کی حمایت میں ایک کتاب ہی لکھ ڈالی جس کا نام القول

[1] ابو الفرج عبدالرحمٰن بن علی الجوزی۔ ولادت سنہ ۵۰۸ھ سے سنہ ۵۱۰ھ تک کے اندر وفات سنہ ۵۹۷ھ

[2] حافظ زین الدین عبدالرحیم بن الحسین العراقی۔ ولادت سنہ ۷۲۵ھ وفات بروایت صحیح سنہ ۸۰۶ھ ان کی کتاب "الفیۃ الحدیث" مشہور و معروف ہے

المسند فی الذب عن مسند احمد ہے اس میں ان تمام حدیثوں کو جنہیں ان دونوں میں سے کسی ایک نے بھی موضوع قرار دیا تھا۔ یہ صحیح ہی نہیں بلکہ بعض کو تو متواتر یا قریب متواتر تک بزعم خود ثابت کر دکھایا ہے۔

اخی المکرم مولانا عبیداللہ الاجمری مدرس سینیر مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے بسبیل تذکرہ ابن حجر کی اس بیجا حمایت کا ذکر آیا تو انھوں نے مجھ سے کہا کہ آپ ان میں سے کسی ایک حدیث کو بھی کوشش کر کے موضوع ثابت کر دیجئے اور ابن حجر کے دلائل کو باطل کر دکھائیے تو میں جانوں۔ میں نے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ "آپ ہی ان میں سے کسی ایک حدیث کو چن دیجئے"۔ بھائی صاحب مرحوم و مغفور نے مسند در ابواب المسجد "الا باب علی" والی حدیث پیش کی کہ "اس کو ابن جوزی اور عراقی دونوں ہی نے موضوع قرار دیا ہے اور ابن حجر نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے اسکو قریب بمتواتر دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ سے ثابت کر دکھایا ہے آپ ابن حجر کے دلائل کو غلط ثابت کر کے اس حدیث کو واقعی موضوع اور حقیقتہً شیعوں کا افترا ثابت کر دکھائیے"۔ بتوفیقہ تعالیٰ میں نے ایک ہفتہ کے اندر ابن حجر ہی کی کتابوں سے ابن حجر کے اقوال و دلائل کی دھجیاں اڑا کر رکھ دیں اور دکھا دیا کہ یہ حدیث درحقیقت موضوع ہی ہے۔ بھائی صاحب ممدوح میرے مختصر سے رسالہ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور بڑی داد دی اور ابن حجر کی اس بیجا حمایت پر سخت متاسف ہوئے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ وعفا عنہم

اسناد مسند احمد

اس مسند کے اسناد جہاں کہیں ملتے ہیں، اسی سلسلۂ روایت سے ملتے ہیں کہ صرف حنبل بن عبداللہ الرصافی ہی سے دوسرے مختلف لوگ روایت کرتے ہیں اور حنبل بن عبداللہ الرصافی تنہا اس کی روایت شیخ ابوالقاسم ہبۃ اللہ بن محمد بن عبدالواحد[1] بن احمد بن الحسین الشیبانی سے کرتے ہیں اور وہ تنہا ابو علی الحسن بن علی بن محمد التمیمی الواعظ عرف ابن المذہب سے۔ وہ تنہا ابوبکر احمد بن جعفر بن حمدان بن مالک القطیعی سے۔ وہ تنہا عبداللہ بن الامام احمد سے وہ تنہا اپنے والد ماجد امام احمد بن محمد بن حنبل سے۔

مسند احمد کے تمام قدیم و جدید قلمی و مطبوعہ نسخوں کو دیکھ لیجئے بسم اللہ کے بعد ہی اس کا آغاز اخبرنا سے ہوتا ہے یہ اخبرنا کہنے والے کون ہیں؟ اللہ ہی کو معلوم۔ ممکن ہے کہ اس جمع یا تثنیہ متکلم میں حنبل بن عبداللہ الرصافی بھی ہوں۔ مگر حنبل بن عبداللہ الرصافی اور ابوالقاسم ہبۃ اللہ کا حال مجھ کو باوجود جستجو کے رجال کی کسی کتاب میں کہیں نہیں ملا۔ ممکن ہے کہ طبقات الحنابلہ وغیرہ میں کہیں مذکور ہوں مگر اتنا ضرور ہے کہ حنبل بن عبداللہ اور ابوالقاسم ہبۃ اللہ ان دونوں کے نام صرف اسی مسند ہی کے سلسلۂ اسناد میں آتے ہیں اس کے سوا کہیں بھی دیکھنے میں نہیں آتے۔ وفیہ ما فیہ۔

بہرکیف ان کے بعد ابن المذہب ہی کا نام آتا ہے تو اب ابن المذہب کا حال سنئے:۔

ابن المذہب

ابوالقاسم ہبۃ اللہ کے شیخ ابن المذہب یعنی الحسن بن علی بن محمد ابو علی بن المذہب الواعظ التمیمی البغدادی، ابوالقاسم ہبۃ اللہ کی طرح یہ واحد راوی ہیں پورے ذخیرۂ روایات یعنی مکمل مسند احمد کے ہیں۔ یہی تنہا اس مسند کی روایت ابوبکر قطیعی سے کرتے ہیں اور ابوبکر قطیعی عبداللہ سے وہ اپنے والد امام احمد سے۔

امام ذہبی میزان الاعتدال میں اور ابن حجر لسان المیزان میں انکا مفصل حال لکھتے ہیں۔ دونوں ہی ان کے متعلق خطیب بغدادی کا قول نقل کرتے ہیں کہ "ابن المذہب کا ابوبکر قطیعی سے مسند احمد کا سننا تو صحیح ہے[2] مگر پوری کتاب کا نہیں بعض اجزاء کا سننا ثابت نہیں مگر ابن المذہب نے ان غیر مسموعہ اجزاء کو بھی مسموعہ کے ساتھ ملا لیا تھا اور امام احمد کی کتاب الزہد کو دیکھ کر اس کی بھی روایت کرنے لگے، حالانکہ اس کا اصل نسخہ[3] ان کے پاس نہ تھا خود اپنے ہی ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخے سے روایت کیا کرتے تھے۔ اس لئے وہ محل حجت نہیں"۔

ذہبی و ابن حجر لکھتے ہیں کہ "ابن المذہب ۳۵۵ھ میں پیدا ہوئے اور نواسی سال کی عمر پا کر ۴۴۴ھ میں وفات پائی۔ مسند فضالہ بن عبید اور مسند عوف بن مالک، ابن المذہب کے نسخہ میں نہ تھے اسی طرح مسند جابر کی وہ بعض حدیثیں بھی نہ تھیں، جن کو حرانی[4] نے قطیعی سے روایت کیا ہے"۔

پھر حافظ ابن حجر امام ذہبی کا معترضانہ اعتراض نقل کرتے ہیں کہ "جب ایک شخص بقول خطیب کسی کتاب کی روایت کے سلسلے میں اپنا نام جوڑ سکتا ہے تو یہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے یعنی مسند فضالہ و مسند عوف اور مسند جابر میں کی چند احادیث کا الحاق بھی اپنی طرف سے کر لیا ہوگا"۔

اتنا لکھ کر پھر حافظ ابن حجر امام ذہبی کا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں کہ "شجاع ذہلی نے کہا ہے کہ ابن المذہب۔ روایتوں میں معتمد علیہ نہ تھے مبلغی نے کہا کہ یہ ہمیشہ محل گفتگو رہے کتاب الزہد کے معدوم[5] ہو جانے کے بعد بغیر اصل کتاب کے خود اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخہ کتاب الزہد کی روایت کیا کرتے تھے۔ خطیب نے کہا کہ ابن المذہب نے ایک ایسی حدیث ابوبکر قطیعی سے روایت کی جس کو ان سے ہرگز نہیں سنا تھا"۔

اس پر ذہبی نے ابن المذہب کی طرف سے یہ تاویل کی ہے کہ شاید وجادۃً اجازت بنا لی ہو۔ (یعنی وہ حدیث کہیں قطیعی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی دیکھی ہو، یا کسی اور جگہ قطیعی کی طرف منسوب نظر آئی ہو اور انھوں نے اسی پالینے کو اجازت قرار دے دی ہو اور حدثنا ابوبکر القطیعی کہہ کر روایت کرنے لگے ہوں) تو کیا یہ بھی جھوٹ نہ ہوا؟

پھر ابن حجر لکھتے ہیں "خطیب بغدادی نے یہ بھی بیان کیا کہ ابن المذہب نے ہم لوگوں سے بواسطۂ دارقطنی و دوراقی ابو عمرو بن مہدی ایک مرتبہ ایک حدیث محاملی سے روایت کی، تو میں نے کہا کہ یہ حدیث تو ابو عمرو بن مہدی کے پاس نہ تھی تو ابن مذہب نے ابن مہدی کے نام پر ہاتھ مار کر کہا کہ بہتیری حدیثیں میرے سامنے پیش کی جاتی ہیں، جن میں نام غیر منسوب ہوتے ہیں تو میں ان کو اپنی طرف سے منسوب کر لیا کرتا ہوں اس طرح اصل روایت میں وہ نسبت ملحق ہو جایا کرتی ہے۔

اتنا لکھ کر ابن حجر لکھتے ہیں کہ "ابن مذہب کے ہم عصر ان کی ان حرکتوں کو بہت ناپسند کرتے تھے، مگر یہ کبھی ان حرکتوں سے باز نہ آئے[6]"۔

ان تمام باتوں کو لکھ کر آخیر میں حافظ ابن حجر پھر ذہبی کا آخری قول نقل فرماتے ہیں کہ "ان تمام باتوں سے یہ ضرور ظاہر ہو گیا کہ ابن المذہب ایک غیر متقن آدمی تھے اور انھیں کی طرح ان کے شیخ (ابوبکر قطیعی) بھی۔ اور اسی وجہ سے مسند میں ایسی ایسی چیزیں واقع ہو گئیں، جن کی نہ تو متن ہی محکم ہے نہ اسنا دہی۔ واللہ اعلم"

(دیکھئے لسان المیزان جلد ۲ صفحہ ۲۳۷ و میزان الاعتدال جلد اول صفحہ ۲۳۲)

یہی ابن المذہب ہیں جو ابن مالک ابوبکر قطیعی سے مسند احمد کے تنہا راوی ہیں ان کے سوا کوئی دوسرا راوی مسند احمد کا دنیا میں پیدا نہیں ہوا۔ اور یہ بھی تنہا جو روایت کرتے ہیں تو صرف ابن مالک ابوبکر قطیعی ہی سے۔ امام ذہبی نے میزان الاعتدال میں اور ابن حجر نے لسان المیزان میں جو اتنا بھر ان کے متعلق لکھا ہے وہ بھی مجبوراً۔ اس لئے کہ کہاں تک چھپاتے اور اگر ان کے تمام حالات

---

[1] مسند کے موجودہ مطبوعہ مصری نسخہ میں یہاں پر عبدالواحد کی جگہ عبدالوہاب لکھا ہوا ہے مگر جہاں تک میں نے تحقیق کی صحیح عبدالواحد ہی ہے۔

[2] اگر ذہبی و ابن حجر اتنا نہ لکھیں اور اس سماعت کی صحت تسلیم نہ کریں تو پھر مسند احمد کا وجود ہی غائب ہو جاتا ہے اس لئے اتنا اعتراف مجبوراً ضروری تھا۔ اس کے بعد "مگر پوری کتاب کا نہیں" یہ فقرہ بے لوثی و حق گوئی ثابت کرنے کیلئے لکھ دینا لازمی تھا۔

[3] اس کا اصل نسخہ دنیا میں کہیں نہ تھا۔ یہ پوری کتاب بجز ابن المذہب اور ان کے رفقاء کی تصنیف کردہ تھی جسکو انھوں نے اپنے ہاتھ لکھ کر امام کی طرف سے منسوب کر رکھا تھا۔ ابن حجر فرماتے ہیں "اس لئے وہ محل حجت نہیں" تو پھر اور کس کی روایت سے کتاب الزہد محل حجت ہو سکے گی؟ دنیا میں ہے کوئی؟ جو ابن المذہب کے علاوہ کسی اور کی روایت سے کتاب الزہد کو پیش کر سکے۔

[4] حرانی سوا مرحلہ ابو شعیب عبداللہ بن الحسن الحرانی کے سوا اور کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ خود ابن حجر و ذہبی کی تصریحات سے ثابت ہے اور نہ کوئی دوسرا اس کا لقب ایسا ہو جس کو کہا جائے کہ شاید وہ ہو۔ تفصیل دیکھئے۔

[5] کتاب الزہد کا وجود ہی کہاں تھا کہ معدوم ہوتی؟ اس کو تو تنہا خانۂ عدم سے ساحت وجود پر خود ابن المذہب ہی پہلے پہل لایا۔ اگر اس کو اپنے نام سے پیش کرتا تو مانتا ہی کون؟ اسلئے بیچارے نے اس کو امام احمد کی طرف منسوب کر دیا۔ ذرا سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا۔ ورنہ امام احمد کے بعد ان کی تصنیف کی ان کے تلامذہ نے ایسی بے اعتنائی کیوں برتی؟ اور یہ چیز معدوم کیوں اور کس طرح ہو گئی؟

[6] یہی وجہ ہے کہ باوجود اس کے کہ ابن المذہب مسند احمد اور کتاب الزہد کو ڈھوئے ڈھوئے پھرے، مگر بجز ابوالقاسم ہبۃ اللہ کے ان کو اور کوئی ایسا نہ ملا جو ان سے مسند احمد یا کتاب الزہد کی سند لیتا۔ بادی النظر میں نے بھی الٹ پلٹ کر دیکھا، چیز اچھی نظر آئی، اسلئے امام احمد کی نسبت کا اتنا ہی احترام کیا تو بہت کیا کہ ان کو زبان سے جھٹلایا نہیں مگر ہر شخص دل میں ضرور ان کتابوں کی طرف سے غیر مطمئن رہا، ورنہ کچھ بھی وثوق اگر ہوتا تو خود خطیب بغدادی اور ان کے دوسرے ہم عصر مسند احمد اور کتاب الزہد کی سند ان سے ضرور لیتے۔ امام احمد کی کتابیں ایسی نہیں ہو سکتیں کہ خطیب جیسے محدثوں کے رسیا ان کی طرف سے ایسی بے اعتنائی اور بے پرواہی برتیں۔

واضح کر دیتے تو پھر مسند احمد کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہتی۔

ابھی ابھی ابن المذہب کے آغاز کا تذکرہ میں آپ نے پڑھا کہ "ابن المذہب کے نسخہ مسند احمد میں مسند جابر کی وہ بعض حدیثیں نہیں جن کو حرانی نے قطیعی سے روایت کیا ہے۔" اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر قطیعی سے حرانی (یعنی ابوشعیب عبداللہ بن الحسن الحرانی) نے بھی مسند احمد کی روایت ہے، تو قطیعی سے مسند احمد کے تنہا راوی ابن المذہب نہ ہوئے، بلکہ دوسرے راوی حرانی بھی ہیں۔[۱] مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ اس طرح کی داؤگھات چالاک محدثین کو خوب آتی ہے کہ بعض غلط باتیں ضمنی طور سے کسی دوسرے تذکرے میں کہہ جاتے ہیں، تاکہ خارج از مبحث بات ہونے کی وجہ سے اس غلط بات کی تغلیط کی طرف کوئی توجہ نہ کرے اور اس طرح وہی غلط آئندہ کے لئے صحیح بن جائے۔ بعد کو یہی بات جو اس وقت خارج از مبحث ہے۔ خود موضوع بحث بنائی جائے گی، تو یہ تحریر اس وقت ثبوت میں پیش کر دی جائے گی کہ فلاں جگہ اس کا ذکر آچکا ہے اگر یہ بات غلط ہوتی تو اسی وقت اس کی تردید کی جاتی۔

حقیقت یہ ہے کہ حرانی کا ابوبکر قطیعی سے پوری مسند احمد یا اس کے کسی جزو کا بھی بلکہ کسی حدیث کا بھی روایت کرنا کسی کتاب سے ثابت نہیں۔ خود ابن حجر لسان المیزان جلد ۳ صفحہ ۲۷۱ میں حرانی کا ترجمہ لکھتے ہیں، مگر ان کے شیوخ میں ابوبکر قطیعی کا نام نہیں لکھتے اور نہ مسند احمد ہی کی روایت کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی امید بھی نہیں کی جاسکتی کہ ایک تقریباً نوے برس کا بوڑھا آدمی[۲] ایک بائیس برس کے لڑکے سے مسند احمد کی سماعت کرنے جائے وہ دو چار حدیثیں نہیں بلکہ تقریباً ساٹھ ہزار حدیثیں۔ اگر کہا جائے کہ جس سال حرانی جنت کو سدھارے اسی سال نہیں، بلکہ اس سے چند سال پیشتر ان کی اتنی ہمت شائد ہو گئی ہو تو چند سال پیشتر تو قطیعی صاحب اور بھی زیادہ ہی کم سن اور نو عمر ہوں گے اور پھر حرانی نے تو عبداللہ بن احمد کا وقت قطیعی سے کہیں زیادہ پایا، بلکہ خاص امام احمد یا عبداللہ ہی سے مسند احمد کی سند لینے میں کیا دشواری تھی جو ایک کم سن لڑکے غیر متقن سے مسند کی سند لیتے؟

مگر ابوبکر قطیعی تو حرانی کی وفات کے وقت سے زیادہ سے زیادہ بائیس ہی سال کے ہو سکتے ہیں کیونکہ قطیعی کی ولادت ۲۷۴ھ کی ہے جیسا کہ آگے آتا ہے۔ تو اگر خود قطیعی حرانی سے کچھ حدیثیں روایت کرتے، جب بھی شبہ ہوتا کہ انھوں نے[۳] تو حرانی کے اختلاط و حواس کا زمانہ دیکھا، ان کی سماع صحیح ہے یا نہیں۔ نہ کہ یہ کہا جا رہا ہے کہ حرانی نے اس کبر سنی میں ایک نوجوان سے دو چار حدیث نہیں بلکہ ساٹھ ہزار حدیثوں کا مجموعہ جا کر اول سے آخر تک سنا، یا سنایا اور بالفرض ایسا تھا تو پھر حرانی کے ترجمے میں ابن حجر یا امام ذہبی نے یہ کیوں نہیں لکھا کہ انھوں نے قطیعی سے مسند احمد کی اس بڑھاپے میں سند لی، یا یہ قطیعی سے مسند کی روایت کرتے ہیں۔ پھر ابن سمعانی نے بھی اپنی کتاب الانساب میں حرانی کا ترجمہ لکھا ہے، وہ بھی یہ نہیں لکھتے کہ مسند احمد کی یہ قطیعی یا کسی سے بھی روایت کرتے ہیں یا قطیعی سے کوئی حدیث بھی سنی۔ غرض حرانی کا مسند احمد سے در اصل کوئی واسطہ نہیں ہے اور یہ مسند احمد سے بالکل اسی طرح بے خبر ہیں جس طرح محدثین جو قطیعی سے متقدم تھے، مسند سے بے خبر تھے، اس لئے کہ قطیعی کی ولادت سے پہلے مسند احمد کا دنیا میں کہیں نام و نشان بھی نہ تھا۔

ابوبکر قطیعی

احمد بن جعفر بن حمدان بن مالک بن شبیب ابوبکر القطیعی ۲۷۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۶۸ھ میں وفات پائی چونکہ یہی مسند احمد کے تنہا راوی ہیں، اس لئے اگر ان کی توثیق نہ کی جاتی تو پھر یہ ذخیرۂ روایات کہیں کا بھی نہ رہتا۔ اس لئے امام ذہبی نے میزان الاعتدال جلد اول ص۴۱ میں ان کے ترجمے کے ضمن میں اتنا تو اعتراف کیا ہے کہ "ابن الفوارس ان کو حدیث میں کچھ یونہی سا سمجھتے تھے اور مسند احمد کے بارے میں ان کے[۴] بعض اصول محل نظر ہیں اور برقانی نے کہا کہ ان کی کتاب کا کچھ حصہ غرق ہو گیا تھا، تو ایک دوسری[۵] کتاب جس کے متعلق ان کی سماع نہ تھی، اس سے انھوں نے حدیثیں نقل کر لیں، اس وجہ[۶] سے محدثین کی ان پر چشمکیں تھیں۔" اتنا لکھکر امام ذہبی لکھتے ہیں کہ "ورنہ (یعنی اگر یہ باتیں نہ ہوتیں تو) وہ فی نفسہ ثقہ ہیں۔" پھر خود لکھتے ہیں کہ "میں خود ان سے سخت متنفر اور بعید خفا تھا مگر مجھے[۷] معلوم ہو گیا کہ نہیں یہ سچے آدمی ہیں، ان کی سماع میں شک نہیں کیا جا سکتا۔ اور میں نے سنا ہے کہ وہ مجاب الدعوۃ بھی تھے۔"[۸] ان کی توثیق کی اتنی کوشش صرف مسند احمد کا بھرم رکھنے کے لئے ہے، چنانچہ ابن حجر امام ذہبی کی اتنی عبارت نقل کر کے لسان المیزان جلد ۱ ص۱۴۵ میں لکھتے ہیں کہ "ذہبی نے جو ابن فرات (کی صحت) پر انکار کیا ہے اس سے تعجب ہے۔

کیونکہ ابن فرات ہی کچھ اس درجہ رح میں متفرد نہیں ہیں بلکہ خطیب نے بھی اس کو محمد بن احمد المسیبی کے ترجمے میں لکھا ہے۔ پھر آگے چل کر ابن حجر لکھتے ہیں کہ "اور ذہبی سے تعجب ہے کہ ابن الفرات کے قول کی تو یہاں (تردید) کرتے ہیں مگر انھیں قطیعی کے شاگرد خاص (حسن بن علی التمیمی ابن المذہب) کے ترجمے کے آخر میں خود لکھتے ہیں (یعنی وہ جو ہم نے ابن المذہب کے ترجمے میں لکھا ہے کہ ابن حجر نے ابن المذہب کے متعلق امام ذہبی کا قول نقل کیا ہے) کہ "یہ بات ظاہر ہے کہ ابن المذہب ایک غیر متقن شیخ تھے، اور انھیں کی طرح ان کے شیخ ابن مالک (القطیعی) بھی اور اسی وجہ سے مسند احمد میں ایسی چیزیں واقع ہو گئی ہیں جن کی نہ متن ہی درست ہے نہ اسناد ہی واللہ اعلم۔"

غرض ذہبی اور ذہبی سے زیادہ ابن حجر، قطیعی سے بالکل مطمئن نہیں ہیں مگر دونوں ہی مسند کی وجہ سے مجبور ہیں۔ اس لئے باوجود دلی تنفر کے کسی نہ کسی حد تک قطیعی کی توثیق ضرور کئے جاتے ہیں تاکہ مسند احمد کا بھرم رہ جائے۔ اگر مسند کا خیال ہوتا، تو خدا جانے یہ لوگ قطیعی اور ابن المذہب دونوں کے متعلق کیا کیا لکھتے۔

قطیعی کے شیوخ در اصل قطیعی کے شیوخ نہ تھے

قطیعی کے شیوخ میں عبداللہ بن احمد کے سوا تین چار امام ذہبی ائمہ رجال نے لکھے ہیں جن میں اکثریت وضاعین وکذابین ہی کی ہے۔ مثلاً محمد بن یونس السامی الکدیمی وغیرہ۔ مگر تعجب یہ ہے کہ جہاں ان لوگوں کے تلامذہ کی فہرست ہے، وہاں قطیعی کا کوئی ذکر نہیں اور نہ قطیعی کی اتنی عمر ہو سکتی ہے کہ ان لوگوں سے یہ حدیثیں سنیں، اور روایتیں اخذ کر سکیں۔ البتہ قطیعی کے حقیقی استاد اور رفیق مذہب و مسلک ابوبکر شافعی کا نام ان لوگوں کے تلامذہ میں آتا ہے، جس طرح عبداللہ بن احمد کے ساتھ بھی در اصل ابوبکر شافعی ہی رہے اور ان کے ساتھ بچوں کی طرح یہ قطیعی صاحب بھی لگے لپٹے رہتے تھے ان کو جو کچھ بھی ملا۔ ابوبکر شافعی ہی سے ملا مگر یہ درمیان سے ابوبکر شافعی کا نام اڑا کر اپنی نسبت کو بلا واسطہ ابوبکر شافعی کے شیوخ سے جوڑ دیا کرتے تھے اسی

---

[۱] تعجب ہے کہ امام ذہبی اور ابن حجر دونوں ہی ابن المذہب کے مسند احمد کا ابوبکر قطیعی سے تنہا راوی بھی لکھتے ہیں پھر حرانی کو قطیعی سے مسند احمد کا راوی بتاتے ہیں۔ اگر دونوں قطیعی سے مسند کی روایت کرتے تھے تو پھر ابن المذہب تنہا راوی کس طرح ہوئے؟

[۲] ابوشعیب الحرانی کے متعلق ابن حجر لسان المیزان میں لکھتے ہیں کہ یہ ۲۰۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۹۵ھ میں ۸۹ برس کی عمر میں وفات پائی۔ ظاہر ہو کہ اس حساب سے ان کی عمر ۸۹ کی نہیں ہوتی، بلکہ اس حساب سے ان کی عمر ۹۳ سال کی ہو جاتی ہے۔ ابن حجر یہ بھی لکھتے ہیں کہ احمد بن کامل کا قول ہو کہ حرانی نے ۲۹۴ھ میں وفات پائی اس لئے یقیناً سال ولادت ہی غلط ہے۔ غالباً ۲۰۳ھ یا ۲۰۶ھ میں حرانی کی ولادت ہوئی جب ہی ۸۹ سال کی عمر پاکر ۲۹۲ھ یا ۲۹۵ھ میں ان کی وفات ہوئی، مگر بہرحال یہ عبداللہ بن احمد سے عمر میں بڑے ہی تھے اور خاص امام احمد سے مسند کی روایت کر سکتے تھے اور اگر امام احمد یا عبداللہ کے وقت میں مسند کا وجود ہوتا، تو قطیعی تو کیا حرانی سے بھی زیادہ معتمد علیہ محدثین مسند کی روایت خاص امام احمد اور نیز عبداللہ سے کرنے والے دنیا میں مشہور و معروف ہوتے　　[۳] ابن المذہب کے ترجمے میں ابن حجر لسان المیزان جلد ۲ ص۲۳۷ میں ایک موقع پر لکھتے ہیں کہ ابن المذہب نے ایک روایت میں قطیعی کے ساتھ ابوسعید الحرفی کا نام بھی لگا کر کہا ہو کہ ان دونوں نے کہا کہ ہم سے ابوشعیب الحرانی نے حدیث بیان کی الخ۔ ابن حجر اس سے اتنا معلوم ہو گیا کہ قطیعی نے خود حرانی سے حدیث سنی اور روایت کی ہے نہ کہ بالعکس۔ فافہم　　[۴] امام ذہبی ہوں یا ابن حجر، مسند کے بھرم کو بہرحال برقرار رکھنا چاہتے ہیں، ابھی تو اس کے خاص اور واحد و تنہا راویوں پر جرح بھی کرتے ہیں تو مسند کو بچاتے ہوئے۔ مسند پر بھی حرف آتا ہے تو کم سے کم اتنی کوشش رہتی ہے کہ آتا تو ہو کہ مسند بالکل ہی سے مشتبہ نہ ہو جائے۔ ابن الفوارس کا قول اس طرح نقل کیا ہے جس سے محل نظر پورا مسند ہی نہ ٹھہر جائے، حالاں کہ ابن الفوارس پورے مسند ہی کو محل نظر ٹھہراتے ہیں۔　　[۵] وہ دوسری کتاب کس کے پاس تھی؟ اور جس کے پاس تھی، اس نے کہاں سے حاصل کی تھی؟ اور پھر وہاں صرف ابوبکر قطیعی کو اپنی کتاب درست کر لینے کا موقع ملا اور کسی کو وہاں سے مسند کی اجازت یا نقل کا موقع کیوں نہ مل سکا۔ اور اس شخص نے خود مسند کی روایت کیوں نہ کی۔ اگر عبداللہ بن احمد سے اس کو وہ کتاب ملی تھی۔ تو پھر قطیعی ہی تنہا عبداللہ سے مسند کے راوی نہ ہوئے۔ وہ بھی تو ایک ہوا اور اگر اس کو خود امام احمد ہی سے مسند ملی تھی جب تو بڑی چیز ہوئی　　[۶] محدثین کی چشمکیں تو در اصل اس مسند احمد کے اختراع و اختلاق ہی کی وجہ سے تھیں مگر برقانی نے پردہ ڈالنے کے لئے کچھ حصہ کتاب کے غرق ہو جانے کو چشمک کا سبب قرار دیدیا۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کے ہمعصروں نے ان سے مسند احمد کے اصل نسخہ کا مطالبہ کیا تو انھوں نے کہا کہ وہ فلاں سفر میں غرق ہو گیا، تو میں نے اپنی یاد سے اور کچھ ردی پرچوں پر جو مسودہ تھا اس سے مرتب کر لیا، اسی لئے ان کے ہمعصروں نے اس مسند کو مشکوک قرار دیا اور ان پر چشمکیں ہونے لگیں۔ اتنے بڑے اہم واقعہ کو برقانی نے کس قدر ہلکا کر دکھایا، صرف مسند احمد کا بھرم رکھنے کے لئے۔　　[۷] کس ذریعے سے معلوم ہوا؟ اس کے ذکر کی ضرورت نہ تھی، مگر مجھکو وہ ذریعہ معلوم ہے، یعنی یہی کہ دوسرے ہم عصر محدثین نے کہا کہ اگر ان کی سماع کو معتبر نہیں مان لیتے ہیں تو پھر مسند احمد جیسا ذخیرۂ روایات ہاتھ سے جاتا ہے۔ اس لئے جس طرح ہم لوگوں نے ان کی سماع صحیح مان لی ہے آپ بھی مان لیجئے اور اس تنفر اور خفگی کو دور کیجئے اور پھر مسند کے پروپیگنڈا کرنے والوں نے قطیعی کے ولی اور مجاب الدعوات ہونے کا بھی پروپیگنڈا کر رکھا تھا　　[۸] میزان الاعتدال جلد ۱ ص۴۲

لئے ان کے اکثر شیوخ ایسے ہی ہیں جو ان کے کم سنی یا آغاز شباب ہی کے وقت دنیا سے رخصت ہو چکے تھے غرض یہ خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ دراصل قطیعی کے استاد و شیخ جو کچھ بھی تھے صرف ابو بکر شافعی ہی تھے اور کوئی بھی نہیں۔ نہ عبداللہ بن احمد نہ کوئی اور جس کی تصریح آگے ابو بکر شافعی کے ترجمے میں آتی ہے۔ سلسلہ قائم رکھنے کے لئے ابھی عبداللہ کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے۔

عبداللہ بن امام احمد بن حنبل

ان کی ولادت ۲۱۳ھ کی ہے اور ۲۹۰ھ میں انھوں نے وفات پائی۔ حضرت امام احمد کی وفات ۲۴۱ھ میں ۱۲ ربیع الاول کو ہے، یعنی تقریباً آغاز سال ہی میں، اور عبداللہ کی پیدائش ۲۱۳ھ کے وسط میں ہے اس لئے امام احمد کی وفات کے وقت عبداللہ زیادہ سے زیادہ ۲۷ برس کے تھے۔ اور ابو بکر قطیعی کی عمر عبداللہ کی وفات کے وقت زیادہ سے زیادہ ۱۶ برس کی ہوتی ہے اس لئے پتہ مل سکتا ہے کہ یہ چند سال عبداللہ بن امام احمد کی خدمت میں شاید رہے ہوں، مگر اس عمر میں ساٹھ ہزار حدیثوں کے مکمل مجموعہ کا سننا اور اخذ کرنا بالکل خلاف عقل ہے۔ کوئی صاحب انصاف اسکو تسلیم نہیں کر سکتا۔

قطیعی دراصل ابو بکر شافعی کے چیلے تھے

البتہ یہ بچپن ہی سے ابو بکر شافعی کے ساتھ لگے رہتے تھے۔ ابو بکر شافعی، عبداللہ ابن احمد کے شاگردوں کی جماعت میں داخل ہو گئے تھے عبداللہ اور ابو بکر شافعی کی وفات کے بعد یہ بغلات خود عبداللہ بن احمد سے تلمذ کے مدعی ہو گئے، اس لئے لوگوں نے ابو بکر شافعی کے ساتھ ان کو بھی عبداللہ بن احمد کے تلامذہ میں شمار کر لیا اس وقت مسند احمد کا کوئی وجود تو تھا نہیں کہ واقعی مسند احمد کو کوئی سنتا، یا ان کو سناتا اور لوگ یہ خیال کرتے کہ ان کی عمر عبداللہ کے وقت میں اتنی تھی یا نہیں کہ ساٹھ ہزار روایات کا مجموعہ۔

قطیعی نے عبداللہ بن احمد کا وقت پایا

یہ عبداللہ سے اخذ کر سکیں۔ ان کے ادعائے تلمذ سے ابتدا میں لوگ اسی قدر سمجھے کہ حدیثیں شاید آخر وقت میں عبداللہ بن احمد سے سنی ہونگی، اس وجہ سے یہ تلمذ کا دعویٰ کر رہے ہیں کسی کو کیا پڑی تھی کہ خواہ مخواہ اتنی سی بات کو جھٹلاتا جس کے امکان کی گنجائش بھی موجود تھا۔ ہاں اگر یہ عبداللہ بن احمد کے مشہور تلامذہ کے سامنے مسند احمد کا نام لیتے، جب البتہ اکابر محدثین ان کی خبر لینے کو تیار ہو جاتے اور پوچھتے کہ مسند احمد کس جانور کا نام ہے اور تم کہاں سے لائے؟ ہم لوگوں کو تو نعمت عظمیٰ عبداللہ سے نہ ملے جو برسوں عبداللہ کی خدمت میں رہے اور ساری زندگی حدیث کی خدمت میں گزاری یا وہ گزار رہے ہیں اور تم کو ہم سب لوگوں سے چھپا کر بلا کسی استحقاق کے عبداللہ بن احمد نے اتنی بڑی دولت چپ چاپ سونپ دی! آخر تم میں کونسے سرخاب کے پر لگے تھے۔

یہ مسند احمد کب اور کس طرح وجود میں آئی، اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ خاص مسند احمد کے ذکر میں۔ ابھی سلسلے کی آخری کڑی یعنی امام احمد بن حنبل کا مختصر ترجمہ سن لیجئے۔

امام احمد بن محمد بن حنبل

ان کی ولادت ۱۶۴ھ میں اور وفات ۲۴۱ھ میں ہوئی ۷۷ سال کی عمر پائی امام شافعی، ابن مہدی، ابو الولید، عبدالرزاق، وکیع، یحییٰ بن آدم اور یزید بن ہارون سے یہ خود بھی روایت کرتے ہیں اور یہ لوگ بھی ان سے روایت کرتے ہیں یعنی یہ سات آدمی ان کے شاگرد بھی ہیں اور استاد بھی اور قتیبہ، داؤد بن عمرو اور خلف بن ہشام ان سے عمر میں بڑے تھے، مگر ان کے تلامذہ میں تھے اور احمد بن الحواری، یحییٰ بن معین، علی بن المدینی، حسین بن منصور، زیاد بن ایوب، ابو قدامۃ السرخسی، محمد بن رافع، محمد بن یحییٰ بن ابی سمینہ اور عبدالرحمٰن بن ابراہیم جن کا لقب "دحیم" تھا یہ نو آدمی ان کے اقران میں سے اور ان کے خاص شاگرد اور خود بلند پایہ محدثین نکلے تھے اور عبداللہ اور صالح ان کے دونوں صاحبزادے بھی ان کے خاص شاگرد تھے۔

ان اکابر محدثین کے علاوہ ابو بکر الاثرم، بقی بن مخلد، حرب الکرمانی، حنبل بن اسحٰق، شاہین بن سمیدع اور میمون بھی ان کے مشہور تلامذہ میں سے تھے۔ پھر امام بخاری، امام مسلم اور ابو داؤد بذات خود بلا واسطہ بھی ان سے روایت کرتے ہیں اور بواسطہ ابو عبدالرحمٰن اسود بن عامر الشافعی ملقب بہ شاذان بھی امام احمد کے آخری شاگرد جو امام احمد کے بعد عبداللہ بن احمد کے بھی شاگرد ہوئے۔ مشہور محدث ابو القاسم البغوی ہیں اور ان بزرگواروں کے علاوہ ایک جماعت کثیر امام احمد کے تلامذہ میں ہے۔ جن میں سے بہتیروں کے نام تہذیب التہذیب وغیرہ کتب رجال میں مذکور ہیں۔

سلسلۂ اسناد کے تمام افراد کو جان لینے کے بعد اب خاص مسند احمد کے وجود اور اس کی توعیتوں پر غور فرمائیے۔

مسند احمد

اب یہ چیز ہر صاحب عقل بغیر ذہن پر زور ڈالے سمجھ سکتا ہے کہ اگر امام احمد بن حنبل اپنی زندگی میں کوئی مجموعہ اپنی حدیثوں کا قلم بند کر جاتے یا اپنے صاحبزادے سے لکھواتے تو جس طرح امام مالک سے ان کی مؤطا ان کے سینکڑوں شاگردوں نے سنی، اور ہر سننے والا ان سے مؤطا کی روایت کرتا تھا اسی طرح امام احمد کے مسند کو بھی عبداللہ کے علاوہ ان کے دوسرے تلامذہ بھی ضرور امام احمد سے سنتے اور اس کی روایت کرتے اتنے بڑے بڑے محدثین، جو نہ صرف امام احمد کے شاگرد تھے، بلکہ استاد بھی تھے، یا خاص اقران میں تھے یا عمر میں بڑے تھے، یا اپنے علم و فضل کی وجہ سے علم حدیث میں بہت بلند پایہ رکھتے تھے، باوجود اس کے کہ یہ سب کے سب امام احمد کے شاگرد تھے، آخر یہ سارے کے سارے اس مسند ضخیم کے وجود سے بالکل بے خبر کیوں رہے اور امام احمد نے ان سب کے سب سے اپنی اس کتاب کو پوشیدہ کیوں رکھا؟ یہاں تک کہ اپنے دوسرے بیٹے صالح کو بھی اس نعمت عظمیٰ سے بالکل محروم ہی رکھا! تعجب ہے کہ امام بخاری اپنی تاریخ میں امام احمد کا ذکر خیر کرتے ہیں، مگر نہ مسند کا کوئی ذکر فرماتے ہیں نہ کتاب الزہد کا آخر امام احمد کو کیا ہو گیا تھا کہ اشاعت حدیث و اشاعت دین کے عوض اپنے تمام شاگردوں سے بالکل کتمان حدیث و کتمان علم فرمایا اور صرف اپنے ایک ہی صاحبزادے عبداللہ کو اس کتاب مکنون کا محرم راز بنایا؟ آخر دوسرے لوگوں سے اس اخفاء و کتمان کی کیا ضرورت تھی؟ کیا ان کے تلامذہ میں سے عبداللہ کے سوا کوئی بھی اس امانت عظمیٰ کا امین نہیں ہو سکتا تھا؟

عبداللہ کے تلامذہ ابو القاسم البغوی

اسی طرح عبداللہ بن احمد کے تلامذہ میں ابو القاسم البغوی جن کی ولادت ۲۱۳ھ کی ہے یعنی عبداللہ سے ایک سال بڑے ہی تھے اور خاص امام احمد کے آخری شاگرد تھے یعنی عبداللہ کے خواجہ تاش استاد بھائی۔ اور خود مشہور بلند پایہ محدث تھے ۳۱۷ھ میں عبداللہ بن احمد کے ستائیس سال بعد وفات پائی۔

سلیمان بن احمد الطبرانی

سلیمان بن ایوب اللخمی الطبرانی جن کی ولادت ۲۶۰ھ کی اور وفات ۳۶۰ھ میں ہے۔ پورے سو برس کی عمر پائی، عبداللہ کی وفات کے وقت تیس برس کے تھے۔ اور قطیعی سے تیرہ سال بڑے تھے اور بقول ابن حجر ۱۳ سال کی عمر سے حدیثیں سننے لگے اور برابر عبداللہ بن احمد کے ساتھ لگے رہے۔

احمد بن کامل بن شجرہ

احمد بن کامل بن شجرۃ القاضی البغدادی، ان کی ولادت بھی ۲۶۰ھ ہی کی ہے۔ نوے سال کی عمر پا کر ۳۵۰ھ میں راہی جنت ہوئے ابن حجر نے ان کو کان من اوعیۃ العلم (علم کا ظرف) لکھا ہے۔

محمد بن مخلد

محمد بن مخلد بن حفص جنھوں نے کافی عمر پا کر ۳۳۱ھ میں وفات پائی، دارقطنی جیسے مشہور محدث کے شیوخ میں تھے اور قطیعی سے کافی بڑے تھے، عمر میں بھی اور علم و فضل میں بھی۔ ابن حجر ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ اپنے وقت میں سب سے بڑے عالم تھے وغیرہم۔

غرض ایسے ایسے تلامذہ کے ہوتے عبداللہ بن احمد کو کیا ہو گیا تھا کہ وہ ایسی کتاب مکنون مسند احمد جس کو امام احمد نے اپنے تمام شاگردوں سے چھپا کر صرف انھیں کو بطور ایک پوشیدہ راز کے عطا فرمایا تھا۔ ایسی نعمت عظمیٰ کو انھوں نے بھی اپنے تمام شاگردوں سے چھپا کر بلا استحقاق دیا بھی تو صرف ایک ستر سال کے لڑکے ابو بکر قطیعی کو!

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو!

جس طرح امام احمد نے اپنے دوسرے تمام تلامذہ سے حتیٰ کہ اپنے دوسرے بیٹے سے بھی اس مسند کو پوشیدہ رکھا بالکل اسی طرح عبداللہ نے بھی اپنے تمام شاگردوں سے اس باپ کی دی ہوئی نعمت کو پوشیدہ ہی رکھا اور ایک گھر سے باہر کے کم عمر لڑکے کے حوالے کر دیا!

امام احمد کو شاید اولاد کی محبت نے اس رازداری پر مجبور کر دیا ہو اور دوسرے بیٹے سے شاید وہ کچھ خفا سے رہتے ہوں، اس لئے اپنی ساری عمر کی کمائی صرف ایک ہی بیٹے کو دے گئے اور دوسرے کو بالکل محروم کر دیا مگر یہ ابو بکر قطیعی جیسے ستر سال کے لڑکے سے عبداللہ کو کون سا رشتۂ محبت تھا کہ عبداللہ نے اپنے تمام برابر والے اور علم و فضل میں مستند شاگردوں پر اس لڑکے کو ترجیح دی؟ اور سب کو اس نعمت سے محروم ہی نہیں، بلکہ بالکل بے خبر رکھا کسی سے کہا تک نہیں کہ میرے پاس والد ماجد کی ایک کتاب ہے۔

پھر ابو بکر قطیعی کے تلامذہ میں بھی ابن المذہب کے علاوہ کچھ لوگ مثلاً حافظ ابو نعیم احمد بن عبداللہ بن اسحٰق صاحب الحلیۃ اور علی بن المحسن[۲] التنوخی القزوینی وغیرہما بھی تھے، مگر ابن المذہب کے

[۱] ابو بکر شافعی کا ترجمہ آگے آئیگا۔
[۲] لم یرحل احمد بن حنبل الا عبد ... ۱۲ (لسان المیزان ... صفحہ ۲۶۹) [۳] علی بن المحسن التنوخی القزوینی کا ترجمہ لسان المیزان جلد ۴ صفحہ ۲۲ میں ہے ۴۴۲ھ میں وفات پائی حافظ تھے

سوا کوئی دوسرا شخص اس مسند کی روایت نہیں کرتا، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

ابن المذہب کے بھی دو چار شاگرد ضرور ہوں گے، مگر ابن المذہب سے بھی صرف ابوالقاسم ہبتہ اللہ ہی تنہا اس کی روایت کرتے ہیں اور کوئی دوسرا نہیں۔

اور ابوالقاسم ہبتہ اللہ صاحب کے بعد صرف حنبل بن اسحٰق الرصافی ہی اس کو تمام تر لئے پھرتے ہیں، یعنی چھٹی پشت سے اس مسند کی روایتی نسل کی چھوٹی چھوٹی شاخیں پھوٹنا شروع ہوتی ہیں۔ اور رفتہ رفتہ ادھر اُدھر پھیلنے لگتی ہیں، مگر پانچ پشت اوپر تک برابر مکمل رازداری اور پورے اخفاد کتمان کے ساتھ ایک ایک ہی شخص ہر دور میں اس مسند کا تنہا راوی چلا آتا ہے۔ اگر کوئی حدیث اس طرح کی ہو جس کا راوی مسلسل ہر عہد میں ایک ایک ہی شخص رہا ہو اور وہ بات ایسی ہو جس کے جاننے والوں کے تعدد کو عقل چاہتی ہو تو ایسی حدیث احاد قرار دے کر ضعیف اور ناقابل احتجاج قرار دے دی جاتی ہے اور یہاں ساٹھ ہزار حدیثوں کا پورا مجموعہ پانچ پانچ دور تک ایک ایک ہی شخص کی وساطت سے چلا آرہا ہے، مگر کسی محدث کے منہ میں زبان نہیں کہ اس پورے مجموعے کو احاد کہہ کر ٹھکرا دے۔ خصوصاً جب اس کے دو آخری ثقہ بالکل مجہول الحال ہیں اور اس کے اوپر کے دو راوی ابن المذہب اور ابوبکر قطیعی غیر مستند اور ناقابل احتجاج۔ (باقی)

ماہنامہ طلوع اسلام کے پرانے پرچے

ماہنامہ طلوع اسلام کے جو پُرانے پرچے دفتر میں موجود ہیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۹۴۹ء	اگست، ستمبر، نومبر، دسمبر
۱۹۵۱ء	مئی تا نومبر
۱۹۵۲ء	اگست تا نومبر
۱۹۵۳ء	جنوری کے علاوہ سب
۱۹۵۴ء	پورے سال کے

یہ پرچے بزمہائے طلوع اسلام کو چوتھائی قیمت پر اور دیگر اصحاب کو آدھی قیمت پر دیدیے جائیں گے۔

خواہشمند حضرات اپنی فرمائشیں جلد بھیجیں۔ ورنہ پرچے ختم ہو جانے کا احتمال ہے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام — کراچی

مطبوعات طلوع اسلام

معراجِ انسانیت — از پرویز۔ سیرت صاحب قرآن علیہ التحیۃ والسلام کو قرآن کے آئینے میں دیکھنے کی پہلی اور کامیاب کوشش۔ مذاہب عالم کی تاریخ اور تہذیبی پس منظر کے ساتھ ساتھ حضور سرور کائنات کی سیرت اور دین کے متنوع گوشے نکھر کر سامنے آگئے ہیں۔ بڑے سائز کے قریباً نو سو صفحات۔ اعلیٰ ولایتی گلیز کاغذ مضبوط و حسین جلد مع گرد پوش ——— قیمت — بیس روپے

ابلیس و آدم — از پرویز۔ سلسلۂ معارف القرآن کی دوسری جلد جسے نظر ثانی کے بعد شائع کیا گیا ہے۔ انسانی تخلیق قصۂ آدم۔ ابلیس۔ جنات۔ ملائکہ۔ وحی وغیرہ جیسے اہم مباحث کی حامل۔ بڑی تقطیع کے ۰۰ ۲ صفحات ——— قیمت — آٹھ روپے

قرآنی دستورِ پاکستان — اس میں پاکستان کے لئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے۔ اور حکومت علماء اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ہے۔ دو سو چوبیس صفحات ——— قیمت دو روپے آٹھ آنے

اسلامی نظام — اسلامی مملکت کے بنیادی اصول کیا ہیں۔ اور اسلامی نظام کیسے قائم ہو سکتا ہے؟ اس کے جواب میں پرویز اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات۔ جنہوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ ۱۰۰ صفحات ——— قیمت ——— دو روپے

سلیم کے نام — از پرویز۔ نوجوانوں کے دل میں اسلام سے متعلق جو شکوک پیدا ہوتے ہیں۔ ان کا شگفتہ، مدلل اور اچھوتا جواب۔ بڑے سائز کے ۴۰۸ صفحات ——— قیمت چھ روپے

قرآنی فیصلے — روزمرہ کی زندگی کے ساتھ اہم مسائل و معاملات پر قرآن کی روشنی میں بحث۔ ۴۰۰ صفحات قیمت — چار روپے

اسبابِ زوالِ امت — از پرویز۔ مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہمارا مرض کیا ہے اور علاج کیا؟ ایک سو اڑتالیس صفحات ——— قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

جشن نامے — ایسے عنوانات جنہیں پڑھ کر ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی ہو اور آنکھوں میں آنسو۔ طنز اور تنقید کے گہرے نشتر۔ سات سالہ دور آزادی کی سمٹی ہوئی تاریخ۔ ۲۵۶ صفحات ——— قیمت دو روپے آٹھ آنے

مزاج شناس رسول — یہ کون بتائے کہ صحیح احادیث کونسی ہیں اور غلط کونسی؟ مزاج شناس رسول! مزاج شناس کون ہیں؟ اس کی تفصیل اس کتاب میں ملے گی۔ ۴۴۰ صفحات۔ قیمت ——— چار روپے

مقامِ حدیث — حدیث کے متعلق تمام اہم سوالات کے تفصیلی جواب۔ احادیث کے متعلق اتنی معلومات کسی جگہ یک جا نہیں ملیں گی۔ دو جلدیں ہر جلد کے قریباً چار سو صفحات اور قیمت فی جلد ——— چار روپے

فردوسِ گم گشتہ — از پرویز۔ ان مضامین کا مجموعہ جنہوں نے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہ کا زاویہ بدل دیا۔ خالص ادبی نقطۂ نگاہ سے اردو لٹریچر کی بلند پایہ تصنیف۔ ۴۱۲ صفحات — قیمت چھ روپے

نوادرات — از علامہ اسلم جیراجپوری۔ علامہ موصوف کے مضامین کا نادر مجموعہ۔ چار سو صفحات ——— قیمت چار روپے

اسلامی معاشرت — از پرویز۔ مسلمان کے عادات و اخلاق کا خاکہ۔ رہنے سہنے کے ڈھنگ۔ سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر اسلوب سامنے آگیا ہے۔ صفحات ۱۹۲ ——— قیمت دو روپے

نظامِ ربوبیت — از پرویز۔ انسان کے معاشی مسائل کا قرآنی حل اور ذاتی ملکیت کا قرآنی تصور دورِ حاضرہ کی عظیم کتاب۔ ضخامت تین سو صفحے۔ قیمت قسم اوّل ——— چھ روپے قسم دوم ——— (غیر مجلد) ——— چار روپے

اقبال اور قرآن — از پرویز۔ علامہ اقبال کے قرآنی پیغام سے متعلق محترم پرویز صاحب کے انقلاب آفریں مقالات کا مجموعہ۔ ڈسٹ کور کے ساتھ۔ صفحات ۲۵۶ قیمت دو روپے

تمام کتابیں مجلد ہیں اور گرد پوش سے آراستہ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ:- ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۴۳،۳۴ - کراچی

جاوید پریس میکلوڈ روڈ کراچی

حقائق و عبر

زندہ قوموں کے سامنے کیا کیا مسائل ہیں جن کے حل کرنے کے لئے وہ دن رات مصروف سعی و عمل رہتے ہیں اور مسلمانوں کے سامنے کون سے مسائل ہیں، جن کی حل کی تلاش میں وہ مضطرب و بے قرار رہتے ہیں۔ اور ان کا حل ان کے پیشوایان دین بکمالِ عنایت عطا فرماتے ہیں اس کا اندازہ ذیل کی دو مثالوں سے لگائیے۔

شب قدر ذیل کا استفسار اور اس کا جواب صدق (لکھنؤ) کی ۱۵ر جولائی کی اشاعت میں شائع ہوا ہے۔

"شب قدر" کیا چیز ہے؟

اس کو تلاش کرنے سے کیا مراد ہے؟

اس کی کیا کیفیت ہوتی ہے؟ اور یہ کس طرح دکھائی دیتی ہے؟

اس کو کس طرح تلاش کیا جائے؟

یہ سوالات ہیں جو ذہن میں پیدا ہوتے رہتے ہیں کوئی کہتا ہے ایک روشنی ہوتی ہے جو بحالت عبادت و ریاضت دکھائی دیتی ہے اور کوئی کچھ کہتا ہے جتنے واعظ اتنی ہی تاویلیں ـــ ہیں۔ ان سے ذہنی خلجان رفع ہونے کے بجائے اور بڑھ جاتا ہے ـــ سورۃ انا انزلنا کی تفسیر مولانا محمود الحسن صاحب کے ترجمہ اور مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہا اللہ علیہما کے حواشی والے قرآن میں دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ایک خاص کیفیت یہ ہوتی ہے کہ عبادت و ذکر میں کافی رغبت اور دلچسپی سی حاصل ہوتی ہے۔ تفسیر بیان القرآن میں اسی سورہ کے معنیٰ و تفسیر کو دیکھنے سے بھی کوئی گرہ کشائی نہ ہوئی۔

بخاری کی احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معلوم ہوا کہ اس شب میں یعنی رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں "شب قدر" دکھائی دیتی ہے کیا چیز ہے جو ان راتوں میں دکھائی دیتی ہے۔ امید کہ حضور عالی اس کی عقدہ کشائی فرمائیں گے، تاکہ ایک مدت کی یہ الجھن رفع ہو امید کہ رہنمائی فرما کر عزت افزائی فرمائیں گے۔

نیاز مند

صدق :۔ شب قدر کا تعلق عالم بالا سے ہے، اس کی پوری تفصیلات حدیث میں وارد ہوئیں ہی نہیں اور جتنی بھی ہیں، ان میں کام کی چیز ہمارے آپ کے لئے بس یہ ہے کہ ان شبوں میں کرنا کیا چاہیئے۔ یہ سال کی ایک بزرگ اور معزز ترین شب ہے (جیسے ہفتہ کا بزرگ دن جمعہ، اور سال کا بزرگ مہینہ رمضان ہوتا ہے) حدیث میں اس کا پتہ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق تاریخوں میں بتایا گیا ہے جو ۲۱ر ۲۳ر ۲۵ر ۲۷ر ۲۹ر پانچ راتیں ہوتی ہیں۔ اکثر علماء کا رجحان شب ۲۷ر کی جانب ہے۔ مبہم رکھ دینے سے ایک کھلی ہوئی مصلحت شریعت کی یہ معلوم ہوئی کہ پانچوں راتیں (بلکہ عادت پڑ جانے پر پوری دسوں راتیں) عبادت ذکر الٰہی اور اصلاح نفس کی کوششوں میں بسر ہوں یقیناً اس رات میں کچھ خصوصی انوار و تجلیات کا ظہور ہوتا ہوگا اور بعض اہل دل کو کچھ مادی آنکھوں سے بھی نظر آجاتا ہوگا۔ باقی اصل شے یہی ہے کہ اس شب میں بیداری روح و تزکیہ نفس کی زیادہ سے زیادہ تیاریاں کی جائیں اور دعا و ابتہال کا کوئی موقعہ ضائع نہ ہونے دیا جائے۔

طلوع اسلام قرآن نے صرف اتنا کہا ہے کہ لیلۃ القدر وہ رات ہے۔ جس میں نزولِ قرآن کی ابتدا ہوئی۔ اور نزولِ قرآن کی ابتداء رمضان کے مہینے میں ہوئی تھی۔ چونکہ نزولِ قرآن سے دنیا کو نئی اقدار ملی تھیں اس لئے وہ رات جس میں اس کے نزول کا آغاز ہوا ـــ یقیناً لیلۃ القدر تھی۔ اس سے زیادہ قرآن میں اس رات کے متعلق کچھ نہیں۔

مُردوں کو ثواب ذیل کے سوالات کا جواب رسالہ رضوان کے مطابق۔ حضرت مولانا الحاج علامہ ابو البرکات سید احمد شاہ صاحب قبلہ ناظم و مفتی مرکزی انجمن حزب الاحناف لاہور نے تحریر فرمایا ہے

سوال ۱۔ فوت شدہ آدمی کی اولاد اگر قرآن مجید یا درود شریف وغیرہ اس کی قبر پر پڑھائیں یا گھر پر پڑھائیں تو کیا ثواب دونوں صورتوں میں مرحوم کو ایک جیسا ملے گا۔ یا فرق ہوگا۔ فرق بیان کیجئے۔

۲۔ کیا مرحوم ان تمام اشخاص کو پہچانتا ہے جو فاتحہ کے لئے اس کی قبر پر جاتے ہیں۔؟

۳۔ اگر موتہ کی اولاد قرآن مجید یا کوئی دینی کتاب کسی کو دے کر دیں تو کیا اس کا ثواب صدقہ جاریہ کے طور پر مرحوم کو ملے گا

۴۔ جو کچھ پڑھ کر موتہ کو بخشا جائے تو کیا اس کا ثواب موتہ کے اعمال نامہ میں درج ہوگا۔ یا قیامت قائم ہونے سے پہلے عذاب قبر کے بچانے کا موجب ہوگا۔

الجواب (۱) قبرستان میں جائے تو الحمد شریف اور الٓمٓ سے مفلحون تک اور آیت الکرسی اور آمن الرسول آخر سورۃ تک اور سورہ یٰسین اور تبارک الذی اور الھٰکم التکاثر ایک ایک بار اور قل ہو اللہ بارہ یا گیارہ یا سات یا تین بار پڑھے۔ اور ان سب کا ثواب مُردوں کو پہنچائے۔

حدیث میں ہے جو گیارہ بار قل ہو اللہ شریف پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو پہنچائے تو مردوں کی گنتی کے برابر اسے ثواب ملیگا (در مختار۔ رد المختار)

نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ اور ہر قسم کی عبادت اور ہر عمل نیک فرض و نفل کا ثواب مُردوں کو پہنچا سکتا ہے۔ ان سب کو پہنچے گا۔ اور اس کے ثواب میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ بلکہ اس کی رحمت سے امید ہے کہ سب کو پورا ملے گا۔ یہ نہیں کہ اسی ثواب کی تقسیم ہو کر ٹکڑا ٹکڑا ملے۔ (رد المختار) بلکہ یہ امید ہے کہ اس ثواب پہنچانے والے کے لئے ان سب کے مجموعہ کے برابر ملے گا مثلاً کوئی نیک کام کیا۔ جس کا ثواب کم از کم دس ملے گا۔ اس نے دس مُردوں کو پہنچایا تو ہر ایک کو دس دس ملیں گے۔ اور اس کو ایک سو دس اور اگر ہزار کو پہنچایا تو اسے دس ہزار دس وعلی ھذا القیاس (فتاویٰ رضویہ)

ثواب فوراً بھی پہنچتا ہے اور قیامت کے دن بھی اجر و ثواب ملے گا۔ اور میت اپنے عزیز و اقارب، دوست و احباب اور زائرین کو پہچانتا اور خوش ہوتا۔ اور ان کے حق میں دعا کرتا اور علی حسب المراتب مدد کرتا ہے

طلوع اسلام قرآن میں ہے کہ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ (۶/۱۶۵) ہر شخص اپنے عمل سے جو کچھ کماتا ہے اس کا نتیجہ اس کے اوپر مرتب ہوتا ہے۔ اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔

دوسری جگہ ہے مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا (۴۱/۴۶) جو اعمالِ صالح کرتا ہے وہ بھی اس کی اپنی ذات کے لئے ہوتے ہیں اور جو برے کام کرتا ہے وہ بھی ...... اپنے لئے۔

باقی رہا مُردوں کا اپنے عزیز و اقارب کو پہچاننا اور خوش ہونا سو (عام مُردے تو ایک طرف) قرآن نے ان مُردوں کے متعلق جنہیں لوگ اپنی مرادوں کے لئے پکارتے ہیں، فرما دیا کہ أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ ۖ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ (۱۶/۲۱) وہ مردہ ہیں۔ زندہ نہیں ہیں۔ اور اتنی بھی خبر نہیں رکھتے کہ کب اٹھائے جائیں گے۔

عزم الملوک حکومتوں کی بنیاد عزمِ راسخ پر ہوتی ہے یعنی پیش نظر معاملہ کے متعلق بروقت فیصلہ کرنا اور پھر اس فیصلہ پر جمے رہنا۔ عزیمت کو اس قدر اہمیت حاصل ہے کہ "عزم الملوک" بطور ضرب المثل استعمال ہوتا ہے اس کی وجہ تسمیہ بھی دلچسپ ہے۔ کہتے ہیں کہ مامون الرشید کو بچپن سے مٹی کھانے کی عادت تھی۔ جب وہ تخت پر بیٹھا تو اس وقت بھی یہ عادت موجود تھی۔ چنانچہ اس کی کیفیت یہ تھی کہ اگر کبھی عین دربار میں بیٹھے بھی مٹی کھانے کا خیال آگیا تو اسی وقت ایک طرف منہ کرکے چھوٹی سی کنکری منہ میں ڈال لیتا۔ یہ بات ایک بادشاہ کے لئے بڑی معیوب تھی۔ اس سے کئی بار کہا گیا۔ لیکن وہ ہر بار ارادہ کرنے کے باوجود اس پر قائم نہ رہ سکتا۔ ایک دن وزیر نے ذرا ڈانٹ کر کہا کہ آپ اس عادت کو چھوڑتے کیوں نہیں؟ تو اس نے کہا کہ کیا کروں ہزار کوشش کرتا ہوں۔ لیکن پھر اپنے فیصلہ پر قائم نہیں رہ سکتا اس نے کہا کہ "این عزم الملوک" تیرے شاہانہ عزم کو کیا ہوا؟

پرسن کریامون سکتہ میں پڑگیا۔ اور کہتے ہیں کہ اس کے بعد پھر کبھی مٹی نہیں کھائی۔

اب دولت خداداد پاکستان کے ارباب حل وعقد کے عزم کی مثال سنیئے۔ اس دفعہ فیصلہ ہوا کہ عیدالضحیٰ اتوار کے دن منائی جائے گی۔ کتنی بڑی خوش قسمتی ہے کہ یہ فیصلہ آخر تک قائم رہا۔ ورنہ یہاں (عیدالفطر کو تو چھوڑیئے) عیدالضحیٰ کے متعلق بھی پورے دس دن فیصلے بدلتے رہا کرتے ہیں۔ بہرحال یہ امر بڑا خوشی کا موجب ہے کہ اس دفعہ اس فیصلہ میں تبدیلی نہیں ہوئی۔ لیکن حکومت کے دفاتر میں عید کی تعطیل کے متعلق جو کچھ ہوا۔ وہ غور سے سننے کے قابل ہے۔ پہلے اعلان ہوا کہ چھٹی ہفتہ کے دن کی ہوگی۔ دو دن کے بعد اعلان ہوا کہ نہیں ہفتہ کی چھٹی منسوخ۔ چھٹی سوموار کو ہوگی۔ اس کے دو دن بعد یہ فیصلہ ہوا کہ سابقہ حکم بھی منسوخ۔ چھٹی ہفتہ اور سوموار دونوں دنوں کی ہوگی۔ اور رات یہ اعلان ہو رہا تھا کہ پہلے جو فیصلہ کیا گیا تھا کہ منگل کے دن اختیاری چھٹی ہوگی اب اسے منسوخ کیا جاتا ہے۔ یہ سطور ہفتہ کی صبح کو لکھی جارہی ہیں۔ اور عید میں ابھی چوبیس گھنٹے باقی ہیں۔ کیا معلوم کل تک کیا تبدیلیاں ہو جائیں!

مقام بست و شکست و فشار و سوز و کشید

میان قطرۂ نیسان و آتش عنبی ؛ ؛

غور کیجئے جو لوگ اتنی سی بات کے متعلق فیصلہ نہیں کر پاتے اور فیصلہ کرنے کے بعد اس پر دو دن تک قائم نہیں رہ سکتے وہ سلطنت کے مہمات امور کے متعلق کیا فیصلے کریں گے اور ان پر کیا قائم رہیں گے۔

پھر یہ خبر بھی موجب دلچسپی ہے کہ ڈھاکہ کی رویت ہلال کمیٹی نے اعلان کیا ہے کہ عید ہفتہ کی ہوگی اور کوئٹہ میں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے بھی یہ فیصلہ کیا ہے کہ عید ہفتہ کی ہوگی۔

ہمیں آٹھ برس ہو گئے اتنی سی بات سلجھاتے سلجھاتے کہ ان تقاریب کے متعلق مرکزی حکومت کو خود فیصلہ کرنا چاہیئے اور اس طرح سارے ملک میں یکسانیت پیدا کر دینی چاہیئے۔ لیکن یہاں اور کونسی بات سمجھ میں آگئی ہے۔ جو یہ بات سمجھ میں آجاتی؟ ہمارا اوپر کا طبقہ اس دنیا میں رہتا ہے جو عقل کی حدود سے آگے واقع ہوئی ہے۔

مطبوعات طلوع اسلام کی شرائط ایجنسی

شرح کمیشن

معراج انسانیت ــــ ۲۵ فی صدی۔ دیگر مطبوعات ۳۳ فی صدی (۲) قیمت بعد وضع کمیشن بذریعہ وی پی وصول کی جائیگی۔ (۳) غیر فروخت شدہ کتب واپس نہیں لی جائیں گی۔ (۴) پہلی فرمائش پچاس روپے (بعد وضع کمیشن) سے کم کی نہیں ہونی چاہیئے۔ (۵) ہر آرڈر کے ہمراہ کم سے کم چوتھائی رقم پیشگی آنی چاہیئے۔ ورنہ تعمیل نہیں ہو سکے گی۔

نوٹ:۔ کراچی کے ایجنٹ صاحبان دفتر طلوع اسلام سے معاملہ طے کریں۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام، پوسٹ بکس نمبر ۳۱۲، کراچی

بین الاقوامی جائزہ

چار بڑوں کی جنیوا کانفرنس نے امن و مصالحت کی خوشگوار فضا پیدا کر دی ہے جنگ کے بعد پہلی دفعہ گران اعاظم رجال نے جن کے فیصلوں پر انسان کے مستقبل کا دار و مدار ہو، ایک دوسرے کو قریب سے دیکھکر سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ روسی قائدین کو خاص طور پر قریب سے دیکھنے کی ضرورت تھی کیونکہ سٹالن جیسے مرد آہنی کے انتقال کے بعد یہ جاننا ضروری تھا کہ جو قائدین ان کے بعد ابھرے ہیں ان کی پوزیشن کیا ہے۔ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ چار بڑوں میں باہمی اعتماد کی ایسی فضا پیدا ہو گئی ہے جو متنازعہ فیہ مسائل کے تصفیہ میں ممد ہوگی۔ اس کانفرنس کا یہ بھی فائدہ ہوا ہے کہ جنگ کو خارج از بحث سمجھ لینے کی صورت پیدا ہو گئی ہے اور ایٹمی آلات کے استعمال کو ناگزیر نہیں سمجھا جائے گا۔ صدر آئزن ہاور نے بجا طور پر کہا ہے کہ دنیا میں "ایک نئی دوستی" کا آغاز ہو گیا ہے۔ لیکن یہ دوستی دنیا کے لئے کیا رنگ لائیگی اس کا انحصار وزرائے خارجہ کی کانفرنس پر ہے جو اکتوبر میں شروع ہوگی۔

اس فضا کا اثر چاروانگ عالم میں ظاہر ہو رہا ہے۔ وزیر اعظم برطانیہ نے اعلان کیا ہے کہ مارشل بلگانن اور کروشیف نے برطانیہ آنے کی دعوت منظور کر لی ہے۔ وہ نئے سال کے آغاز میں وہاں جانے کا خیال رکھتے ہیں۔ وہ شاید فرانس بھی جائیں۔ یہ آمدورفت اپنی جگہ بڑی وقیع ہے اور جنیوا کی پیدا کردہ فضا کا نتیجہ بھی ہے اور اسے تقویت دینے کا باعث بھی ہوگی۔

اس کا غالباً سب سے زیادہ قابل ذکر نتیجہ یہ اعلان ہے کہ امریکہ اور سرخ چین کے سفیر جنیوا میں یکم اگست کو ملاقات کرینگے یہ ملاقات ان عالمی کوششوں کا نتیجہ ہے جو فارموسا سے متعلق جنگ کا خطرہ پیدا ہوتے ہی شروع ہو گئی تھیں۔ ان میں پیش پیش برطانیہ تھا۔ اس کے وزیر اعظم نے انتہائی کوشش کی کہ جنگ کا خطرہ ٹل جائے اور امریکہ چین سے مذاکرات پر آمادہ ہو جائے لیکن ایسی صورت ممکن نہ ہو سکی کیونکہ جہاں چین کی کوشش تھی کہ فارموسا کے نمائندے شریک مذاکرات نہ ہوں وہاں امریکہ انھیں ساتھ رکھنا چاہتا تھا۔ بڑی تگ و دو کے بعد بالآخر براہ راست مذاکرات کی شکل نکل آئی ہے۔ یہ جنیوا کانفرنس کا ہی نتیجہ ہے۔ صدر آئزن ہاور نے کہا ہے کہ اگر ضرورت ہوئی تو اس سفارتی ملاقات کو وزارتی ملاقات میں تبدیل کر دیا جائے گا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امریکہ پوری سنجیدگی سے اس ملاقات کو آزمانا چاہتا ہے۔ یہ بھی قابل ذکر ہے کہ پہلے اعلان میں تو بتایا گیا تھا کہ ملاقات کا موضوع ایک تو ان امریکیوں کی رہائی ہے جو چین کی قید میں ہیں۔ دوسرے "کچھ دیگر سیاسی امور" بھی زیر بحث آئیں گے۔ بعد میں ان کے متعلق صراحت کر دی گئی ہے کہ فارموسا کو بھی زیر بحث لایا جائیگا۔

جنیوا میں مشرق بعید پر زیادہ تفصیل سے گفتگو نہیں کی گئی تھی اور فیصلوں کا مدار یورپ تھا۔ اب اس کانفرنس کو جنیوا کا ضمیمہ کہا جا سکتا ہے۔ جس میں پورا مشرق بعید آجائیگا۔ اس لحاظ سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ معاملہ ا۔ امریکیوں یا فارموسا تک محدود رہیگا۔ چین نے تو ابھی سے اپنے عزائم کا اظہار کر دیا ہے۔ ایک تقریر میں چینی وزیر اعظم چو این لائی نے تجویز پیش کی ہے کہ جس طرح چار بڑے یورپ کے لئے ایک اجتماعی دفاع کی تجویز پر غور کر رہے ہیں۔ اسی طرح چین تیار ہے کہ مشرق بعید میں ایک اجتماعی دفاعی معاہدہ مرتب کر لیا جائے۔ یہ تجویز بڑی اہم ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ امریکہ اسے بآسانی زیر بحث لانے پر تیار ہو جائیگا۔ کیونکہ اس نے چین کو تسلیم نہیں کیا ہے اور جب تک وہ اس حکومت کو تسلیم نہیں کرتا اس سے دفاعی معاہدہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دوسرے امریکہ مشرق بعید میں جو کچھ کر رہا ہے وہ اشتراکی چین کی روک تھام کے لئے ہی کر رہا ہے۔ اس لئے اگر وہ چین سے دفاعی معاہدہ کی گفتگو شروع کرے تو اس کے دفاعی انتظامات پر اثر پڑے گا۔ یہ ملحوظات اپنی جگہ پر درست لیکن مشرق بعید کے تنازعات کے حل کی صورت یہی نظر آتی ہے کہ امریکہ اور چین میں کوئی مفاہمت ہو جائے۔

کشمیر میں ٹال مٹول سے کام لینے والا ہندوستان گوا کے معاملہ میں الجھ سا گیا ہے کیونکہ پرتگال کے رویہ میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں آئی اور وہ اپنے موقف پر اس حد تک اڑا ہوا ہے کہ وہ گوا کا تحفہ پنڈت نہرو کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے تیار نہیں۔ پنڈت نہرو ماسکو اور یورپ اور برطانیہ کا دورہ کر کے ہوا کے گھوڑے پر سوار دہلی پہنچے تو ان کی انانیت کو اس سے بڑا صدمہ پہنچا۔ پرتگال گوا کا معاملہ پیا ہوا ہے چنانچہ انھوں نے آپے سے باہر ہو کر یہاں تک کہہ دیا کہ اگر پرتگال کی حکومت اپنی ضد پر قائم رہی تو اس کی حکومت ختم ہو جائے گی۔ بین الاقوامی سیاست میں بات چیت کرنے کا یہ انداز بالکل نرالا ہے اور ایسا ہے جس کی تمام مہذب حکومتیں مذمت کرینگی۔ لیکن اس سے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ پنڈت نہرو کیسی اندرونی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ انھوں نے ایک تازہ تقریر میں یہ بھی کہا کہ وہ عدم تشدد پر کاربند نہیں رہیں گے حالانکہ اس سے پہلے وہ عدم تشدد کا ہی ذکر کرتے رہے ہیں۔ بہرحال گفتگو میں بداعتدالی کے باوجود عمل میں انہیں اعتدال سے کام لینا پڑتا ہے۔ چنانچہ کانگریس پارٹی نے فیصلہ کیا ہے کہ گوا پر عمومی چڑھائی نہ کی جائے۔ یہ فیصلہ احزاب مخالف کے اس مطالبہ کا جواب ہے کہ گوا پر چڑھائی کر دی جائے اور ہزاروں کی تعداد میں رضاکار بھیجنے شروع کر دیئے جائیں۔

پنڈت نہرو نے ہندوستانی پارلیمان میں یہ اعلان کیا ہے کہ انھوں نے پرتگال کو کہدیا ہے کہ وہ اپنا سفارت خانہ دہلی میں بند کر دے۔ واضح رہے کہ لزبن میں ہندوستانی سفارت خانہ گذشتہ سال بند کر دیا گیا تھا۔ گو اس فیصلے کو مکمل سفارتی انقطاع

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

عالمِ اسلامی

مراقش میں قوم پرستوں اور فرانس میں بدستور ہنگامے ہو رہے ہیں۔ اور ان کے تھمنے یا ختم ہونے کی بظاہر کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ دیکھا جائے تو اس کی یہی صورت ہو سکتی ہے کہ فرانس بربریت سے باز آ جائے اور الجزائر اور مراقش کو کم از کم خود مختاری ضرور دے دے۔ لیکن فرانس کی ذہنیت میں ایسی خوشگوار تبدیلی کے آثار ابھی تک دکھائی نہیں دیتے۔ اگر فرانس خود ظلم و تعدی سے دستکش نہیں ہوتا تو دیگر اقوام بھی اس کے ہاتھ روکنے میں چنداں دلچسپی نہیں لے رہیں۔ اس کا نتیجہ ہے کہ مغرب اقصیٰ کی جنگ آزادی جو ایک خالصتاً انسانی مسئلہ ہے باشندگان مغرب اقصیٰ ہی کا مسئلہ بن کے رہ گیا ہے۔ غنیمت ہے کہ ایشیائی افریقی گروہ نے پھر سے معاملہ ہاتھ میں لے لیا ہے۔ وہ پھر کوشش کر رہے ہیں کہ یہ معاملہ پھر اقوام متحدہ میں پیش ہو جائے۔ چنانچہ انھوں نے سلامتی کونسل کے نام ایک یادداشت بھیجی ہے جس میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنی توجہات مراقش کی طرف منعطف کرے جہاں عرصہ دو ہفتوں سے فسادات ہو رہے ہیں۔ اور ایسی صورت حال پیدا ہو گئی ہے جس سے بین الاقوامی کشیدگی میں اضافہ ہو جائے گا۔ اس یادداشت میں سلامتی کونسل کی توجہ مراقش کی طرف مبذول کرائی گئی ہے لیکن اس پر بحث کرنے کے لئے اجلاس منعقد کرنے کا مطالبہ نہیں کیا گیا۔ اسی طرح اس گروہ نے جنرل اسمبلی سے درخواست کی ہے کہ وہ ۲۰ ستمبر سے شروع ہونے والے سالانہ اجلاس میں مراقش اور الجزائر پر پوری طرح بحث کا موقع دے۔

اس میں شبہ نہیں کہ یہ ایک قابل تعریف کوشش ہے۔ لیکن اس کو کیا کیا جائے کہ اس سے پیشتر اس قسم کی سعی کا کچھ نتیجہ نہیں نکلا۔ مراقش کا معاملہ کافی عرصہ سے اقوام متحدہ کے روبرو ہے۔ مگر اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ نہ اقوام متحدہ نے اپنی نگرانی میں فریقین کے مابین مذاکرات کرائے اور نہ فرانسیسی تشدد کا دور دورہ ختم کرانے کی کوئی کوشش کی۔ ان حالات میں یہ توقع نہیں کی جا سکتی کہ جنرل اسمبلی کوئی قابل قدر اقدام کر سکے گی لیکن ایشیائی افریقی گروہ بالخصوص مسلمان ممالک کے لئے یہ سوچنے کا مقام ہے کہ انھیں ایسے اقدامات کرنے چاہئیں جس سے فرانس کا ہاتھ روکا جا سکے اور اسے مجبور کیا جا سکے کہ وہ مراقش اور الجزائر کے نمائندوں سے مذاکرات شروع کر دے۔ اور انھیں کم سے کم وقت میں خود مختاری دے۔ یہ مقصد اقوام متحدہ کے ذریعہ حاصل کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ مستعدی اور ہوشیاری سے کام لیا جائے۔ ایشیائی افریقی گروہ بین الاقوامی سیاست میں بہتر پوزیشن حاصل کر رہا ہے لیکن افسوس ہے کہ اصحاب غرض نے اس کی توجہات کو حقیقی مسائل سے ہٹا کر غیر ضروری امور میں الجھا دیا ہے۔ مغرب اقصیٰ کی آزادی ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے پرامن حل کے لئے اس گروہ کو سر توڑ کوشش کرنی چاہیئے۔

مسلمانوں کی توجہات کو تو خصوصیت سے غیر ضروری امور میں الجھایا جا رہا ہے۔ ابھی دنوں صدر انڈونیشیا سوئیکارنو حج سے پہلے قاہرہ گئے۔ ان کے چند روزہ دورہ کے بعد جو اطلاعات متفرق ذرائع سے موصول آئی ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے دورے نے مصر کو غیر جانبدار رویہ میں پختہ کر دیا ہے۔ اس سلسلہ میں مصری حلقوں میں یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ انھیں پنڈت نہرو نے غیر جانبداری پر آمادہ کیا۔ اور صدر سوئیکارنو نے غیر جانبداری میں پختہ کر دیا ہے۔ غیر جانبداری فی ذاتہ نہ مفید ہے نہ مضر لیکن موجودہ حالات میں اسے ایک خاص مطلب کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے۔ روس اور چین اور ان کے ہمنوا بالخصوص ہندوستان اس کوشش میں ہیں کہ مغرب کے اثر کو کم کرنے کے لئے ایشیا میں غیر جانبداری کی روش کو عام کیا جائے۔ مسلمان ممالک پر بھی اس سلسلہ میں کافی التفات کی گئی ہے۔ مصر کو خصوصیت سے پھانسا گیا اور یہ کام ہندوستان نے کیا اس کا مقصد ایک ہی تھا اور وہ یہ کہ ممالک اسلامیہ کو غیر جانبداری کا سبز باغ دکھا کر ایک دوسرے سے جدا کر دیا جائے۔ مصر جو اس دام میں آیا تو اس نے عرب ممالک کو تین ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ اور اب یہ کہا جا رہا ہے کہ یہ روش پختہ تر ہو گئی ہے۔

عراق اس روش افتراق کا بڑے تدبر اور دور بینی سے ازالہ کرنے میں مصروف ہے۔ ابھی دنوں اس نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ اسرائیلی حکومت کی جارحیت کے مداوے کی یہ صورت ہے کہ عرب لیگ کا اجلاس طلب کیا جائے۔ اور عربوں کے مشترکہ دفاعی منصوبے کو عملی شکل دی جائے۔ اس کی طرف سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ عربوں میں باہمی بد اعتمادی کی جو فضا پیدا ہو گئی ہے اسے بھی رفع کرنے کی کوشش کی جائے۔ یہ تجویز بڑی معقول ہے اور ممالک اسلامیہ اور بہی خواہان عالم اسلامی اسے یقیناً مستحسن سمجھیں گے۔ لیکن ابھی سے اس خدشے کا اظہار کیا جا رہا ہے کہ مصر شاید اسے اس لئے تسلیم کرے کہ اسے عراق نے پیش کیا ہے اور عراق ترکی اور پاکستان سے معاہدہ کرنے کا "مجرم" ہے۔ ذرا بنظر غائر دیکھا جائے تو اس تجویز سے کئی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے عالم عرب کے اتحاد باہمی کی صورت پیدا ہو جاتی ہے اور دوسرے یہ کہ عراق کی وساطت سے متحدہ عالم عرب ترکی اور پاکستان کا حلیف ہو جاتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس وسیع تر معاہدے کو مشرق وسطیٰ کی مشترکہ دفاعی تنظیم میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ یہ تجویز مصر کے تدبر کا امتحان ہے۔ اگر اسے عالم عرب اور عالم اسلامی کا اتحاد عزیز ہے — اور اس کا وہ کئی بار اعلان کر چکا ہے۔ تو اسے اس تجویز کو تسلیم کر کے اس کی عملی صورت پر پوری سنجیدگی سے غور کرنا ہوگا۔

انڈونیشیا کا بحران ابھی تک حل نہیں ہو سکا گو اس کے متعلق پریشانی کم ہو گئی ہے۔ فوج اور حکومت میں کئی ہفتوں سے زور آزمائی ہو رہی تھی۔ حکومت نے جنرل اوتویو کو چیف آف سٹاف تسلیم کیا تو فوج نے اسے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ یہ ایک غیر معمولی صورت حال تھی۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ فوج جسے حکومت کے ماتحت ہونا چاہیئے اس پوزیشن کو تسلیم نہیں کرتی۔ اسے یقیناً گوارا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ فوج کی "بغاوت" کی وجہ یہ تھی کہ یہ تقرر اشتراکی خیالات کے مالک وزیر دفاع کا کیا ہوا تھا۔ چنانچہ اس کی توجیہ یہ کی گئی کہ کمیونسٹ حضرات کو فوج کی کلیدی اسامیوں پر متعین کیا جا رہا ہے۔ حکومت نے مصالحت کے لئے یہاں تک کوشش کی کہ فوج اس تقرر کو تسلیم کر لے تو نئے چیف آف اسٹاف استعفا دے دیں گے۔ لیکن فوج نے یہ تجویز مسترد کر دی۔ اس پر پہلے وزیر دفاع نے استعفا دیا۔ اس سے بھی کشمکش کم نہ ہوئی تو بالآخر وزیر اعظم نے استعفا دے دیا۔ یہ قضیہ بڑا ہی افسوسناک ہے۔ لیکن یہ غنیمت ہے کہ انڈونیشیا میں ایسی شخصیتیں موجود ہیں جو بحران میں آگے بڑھ کر سب کا اعتماد حاصل کر سکتی ہیں چنانچہ عمومی مطالبہ یہ ہوا کہ نائب صدر ڈاکٹر حتیٰ میدان میں آئیں اور نئی حکومت مرتب کریں۔ اب نئی حکومت مرتب ہو گئی ہے لیکن آیا اس سے یہ ناخوشگوار قضیہ واقعی ختم ہو جائے گا۔ اس کا ثبوت کچھ دیر میں ملے گا۔

بین الاقوامی جائزہ

(صفحہ ۱۱ سے آگے)

نہیں کہا جا سکتا کیونکہ ابھی تک بمبئی میں پرتگیزی قونصل جنرل موجود ہے۔ اور گوا میں ہندوستانی قونصل جنرل۔ لیکن یہ تمہید اسی قطع تعلق کی ہے۔ اب کے پھر خطرہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ ۱۵ اگست کو گوا پر ہندوستانی رضاکار یورش کریں گے۔ اس یورش کی تیاریاں پچھلے سال بھی کی گئی تھیں لیکن کچھ نہیں بن سکا تھا۔ اس سال تو کانگریس نے علانیہ طور پر ایسے اقدام کی مذمت کر دی ہے۔ گویا ہندوستانی حکومت کو یقین ہے کہ وہ دھمکی سے کام نہیں نکال سکتی۔

سائپرس کا مسئلہ بدستور پریشانی کا باعث بنا ہوا ہے۔ برطانیہ نے بڑی کوشش سے ترکی اور یونان کو رضامند کر لیا کہ وہ ۲۹ اگست کو ایک کانفرنس میں اس پر غور کریں۔ یونان اس کانفرنس میں شرکت پر آمادہ ہو گیا ہے لیکن اس نے اس معاملہ کو اقوام متحدہ میں بھی پہنچا دیا ہے۔ یہ معاملہ پہلے بھی اقوام متحدہ میں پیش ہو چکا ہے لیکن اس پر کوئی کارروائی نہیں کی گئی تھی۔ اب ہو سکتا ہے کہ ۲۹ اگست کی کانفرنس بے نتیجہ رہ جائے تو یہ معاملہ ۲۰ ستمبر سے جنرل اسمبلی کے شروع ہونے والے اجلاس میں پیش ہو جائے۔ برطانیہ کی رائے یہ ہے کہ اس اقدام کا اثر اگست والی کانفرنس پر اچھا نہیں پڑے گا۔

قرانی فکر کی نشر و اشاعت

آپ اس میں کس طرح حصہ لے سکتے ہیں

طلوع اسلام قرانی فکر کی نشر و اشاعت کا ذریعہ ہے - ظاہر ہے کہ اسکا لٹریچر جسقدر زیادہ شائع ہوگا اسی قدر قرانی فکر عام ہوگا اور اسی نسبت سے قرانی انقلاب قریب سے قریب تر آتا جائیگا - اس کے لئے طلوع اسلام نے "پیشگی خریداران" کی اسکیم جاری کی ہے - یعنی اگر آپ ایک سو روپیہ پیشگی ادا کردیں (یک مشت یا دس* روپے کی ماہانہ اقساط میں) تو آپ کا حساب کھول لیا جائیگا اور اس میں سے آپ کو طلوع اسلام کی شائع کردہ کتابیں بلا محصول ڈاک گھر بیٹھے ملتی جائینگی تا آنکہ آپ کی پیشگی رقم پوری نہ ہوجائے۔ اس طرح - - -

- آپ کی پیشگی رقم سے ہمیں مزید کتابیں شائع کرنے میں سہولت مل جائیگی - اور
- آپ کو طلوع اسلام کی کتابیں بلا محصول ڈاک خود بخود ملتی چلی جائینگی - اگر آپ اس وقت تک اس اسکیم میں شامل نہیں ہوئے تو اب شامل ہوجائیے -

* پہلے ماہانہ قسط کی رقم کم سے کم پچیس روپے تھی لیکن اب متعدد قارئین کے اصرار پر اسے بدل کر دس روپے کر دیا گیا ہے - جو احباب دس روپے سے زیادہ قسطیں دینا چاہیں وہ دے سکتے ہیں -

★ ★ ★

اسلامی دستور

اور

اسلامی نظام

سے متعلق قرآن کا نقط نگاہ کیا ہے؟

ان اہم ترین موضوعات پر مفصل اور اچھوتی بحث کے لئے دیکھئے -

قرآنی دستور پاکستان (صفحات ۲۲۴ - قیمت ۲/۸/- روپے)

اور

اسلامی نظام (صفحات ۱۸۰ - قیمت دو روپے)

تاریخ الامّت

(از - علامہ اسلم جیراجپوری مدظلہ)

تاریخ کی وہ کتاب جس کے لئے علامہ موصوف کا اسم گرامی ہی کافی ضمانت ہے -

تقسیم سے پہلے ہندوستان کی بیشتر درسگاہوں میں بطور نصاب
شامل تھی - لیکن کچھ عرصہ سے ناپید ہوگئی تھی -

طلوع اسلام

نے اسے مولف کی اجازت سے دوبارہ چھاپا ہے -
اس کے دو حصے تیار ہوچکے ہیں -
پہلا حصہ سیرت رسول اللہ کے تذکار جلیلہ پر مشتمل ہے - اور دوسرا حصہ خلافت راشدہ کے متعلق ہے - تیسرا اور چوتھا حصہ چھپنے کے لئے تیار ہے - پوری کتاب آٹھ حصوں میں ہے -
باقی حصے رفتہ رفتہ تیار ہوتے جائیں گے -

قیمت حصہ اول (موٹے ٹائٹل کے ساتھ) دو روپے
" حصہ دوم (") اڑھائی روپے
} علاوہ محصول ڈاک

جلد فرمائشیں بھیجئے کیونکہ کتاب محدود تعداد میں چھپوائی گئی ہے - "معاونین" کو کتاب از خود بھیجدی جائیگی - جو حضرات کتاب نہ منگانا چاہیں دس اگست تک اطلاع دیں -

ناظم ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۴۳۱۳ - کراچی - ۳

Title Printed at Mueid Art Press, Thathai Compound, Bunder Road, Karachi. Text at Jawed Press, McLeod Road, Karachi. Published by Khurshid Alam from Tolu-e-Islam Office, 23/1 Fowler Lines, Napier Barracks, Karachi.
Editor: KHURSHID ALAM